نضر الله امرأ سمع منا حديثا فحفظه حتى يبلغه

73

جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ جون ۲۰۱۰ء

- صوفیاء کا ''خاتم الاولیاء'' والا نظریہ باطل ہے
- حق چھپانا اور دُنیا کے لئے علم کا حصول؟
- امام یحییٰ بن معین اور توثیق ابی حنیفہ؟
- جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کے چند اُصول...
- حافظ ابن الجوزی اور تقلید کا رد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 7 | جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ جون ۲۰۱۰ء | شمارہ: 6

قیمت

فی شمارہ : 20 روپے

سالانہ : 200 روپے

علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک

300 روپے

خط کتابت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد

0300-5288783

مقامِ اشاعت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

برائے رابطہ

0302-5756937

اس شمارے میں

کلمۃ الحدیث
حافظ زبیر علی زئی

صوفیاء کا ''خاتم الاولیاء'' والا نظریہ باطل ہے

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اور اسی طرح ''خاتم الاولیاء'' کا لفظ باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اسے سب سے پہلے محمد بن علی الحکیم الترمذی نے ذکر کیا اور ایک گروہ نے اسے چرا کر اپنا لیا، ان میں سے ہر شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہی خاتم الاولیاء ہے جیسے ابن حمویہ، ابن عربی اور دمشق وغیرہ کے بعض گمراہ پیر، جن میں سے ہر شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بعض وجہ سے نبی علیہ السلام سے افضل ہے(!) اور اس طرح کے دوسرے کفر اور بہتان کا دعویٰ کرتا ہے، ان سب باتوں میں اُن کو لالچ یہ ہے کہ وہ خاتم الانبیاء تو نہ بن سکے لہٰذا خاتم الاولیاء کی ریاست انھیں مل جائے۔ یہ سب غلط ہیں کیونکہ خاتم الانبیاء (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر النبیین) تو دلائل کی وجہ سے افضل ہیں اور خاتم الاولیاء کے افضل ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ بے شک اس امت کے اولیاء میں سے مہاجرین اور انصار کے السابقون الاولون سب سے افضل ہیں۔ نبی کے بعد اس اُمت میں سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، پھر علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس اُمت کی صدیوں میں سب سے بہترین وہ صدی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے پھر وہ جو اُن کے قریب ہیں (یعنی تابعین) پھر وہ جو اُن کے قریب ہیں (یعنی تبع تابعین۔)

خاتم الاولیاء تو حقیقت میں وہ آخری مومن ہے جو (قیامت سے پہلے) لوگوں میں ہو گا اور وہ سب اولیاء میں سے بہتر اور افضل نہیں ہے بلکہ سب سے بہتر اور سب سے افضل (ولی) ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر عمر (رضی اللہ عنہ) ہیں، جن دونوں سے افضل پر نبیوں اور رسولوں کے بعد سورج طلوع اور غروب نہیں ہوا۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱۱ص ۴۴۴)

ملا علی قاری حنفی نے حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم دونوں کے بارے میں کہا:

وہ دونوں اہلِ سنت والجماعت کے اکابر میں سے اور اس اُمت کے اولیاء میں سے تھے۔

(جمع الوسائل فی شرح الشمائل ج ۱ص ۲۰۷)

فقہ الحدیث

حافظ زبیر علی زئی

حق چھپانا اور دُنیا کے لئے علم کا حصول؟

٢٢٣۔٢٢٤) وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ :((من سئل عن علم علمه ثم كتمه، ألجم يوم القيامة بلجامٍ من نار .)) رواه أحمد و أبو داود والترمذي .ورواه ابن ماجه عن أنس . اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص سے کسی علم کے بارے پوچھا جائے، جسے وہ جانتا تھا پھر وہ اُسے چُھپالے تو قیامت کے دن اُسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔

اسے احمد (٢/٢٦٣ح ٧٥٦١، ٢/ ٣٠٥ح ٨٠٣٥) ابو داود (٣٦٥٨) اور ترمذی (٢٦٤٩) نے روایت کیا ہے۔

اور اسے ابن ماجہ (٢٦٤) نے (سیدنا) انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: یہ حدیث حسن ہے۔

اسے ترمذی نے حسن، ابن حبان (الاحسان: ٩٥) حاکم (١/١٠١ح ٣٤٤) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا۔ عطاء بن ابی رباح کی اس روایت میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے سماع میں کلام ہے، اگرچہ مستدرک الحاکم میں قاسم بن محمد بن حماد کی روایت میں اُن کے سماع کی تصریح موجود ہے۔

قاسم بن محمد الدلال پر تین محدثین نے جرح کی اور تین نے توثیق کی۔!

صحیح ابن حبان (الاحسان: ٩٦) اور المستدرک للحاکم (١/١٠٢ح ٣٤٦ وصححہ) وغیرہما میں اس کا حسن لذاتہ شاہد: **((من كتم علمًا ألجمه الله يوم القيامة بلجام من نار .))** موجود ہے، جس کے ساتھ یہ حسن ہے۔ والحمدللہ

فقہ الحدیث: ① حق چھپانا حرام ہے۔

② دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ اگر کوئی شرعی عذر ہو تو علم کی بعض باتیں عام لوگوں

کے سامنے ظاہر نہ کرنا بھی جائز ہے۔ مثلاً:

۱: نبی ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ایک بات بتائی پھر اُسے لوگوں کو بتانے سے منع کر دیا تھا تا کہ کہیں لوگ اسی پر بھروسا نہ کر بیٹھیں۔
دیکھئے صحیح بخاری (۱۲۸۔۱۲۹) اور صحیح مسلم (۳۲)

۲: سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو ایک خواب کی تعبیر میں کچھ غلطی لگی تھی، جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أصبتَ بعضًا و أخطأتَ بعضًا .))
تمھاری بعض باتیں صحیح ہیں اور بعض میں غلطی لگی ہے۔
ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! آپ مجھے ضرور بتائیں کہ مجھے کیا غلطی لگی ہے؟
تو آپ ﷺ نے فرمایا: قسم نہ کھاؤ۔ (صحیح بخاری: ۷۰۴۶، صحیح مسلم: ۲۲۶۹)
یعنی آپ نے وہ غلطی اُنھیں نہ بتائی لہٰذا اگر کوئی عذر ہو یا فساد وغیرہ کا ڈر ہو تو بعض باتیں نہ بتانا بھی جائز ہے لیکن اہم موقع اور ضروری بیان کے وقت علم کی بات چھپانا جائز نہیں بلکہ کتمانِ حق ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

۳: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے ایک علم (جس کا تعلق سیاسی اُمور سے تھا) بتایا تھا، جسے انھوں نے لوگوں کے سامنے بیان نہیں کیا۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۱۲۰)

③ سنن ابن ماجہ (۲۶۴) والی روایت کی سند یوسف بن ابراہیم کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن صحیح ابن حبان (۹۶) والے مذکورہ حسن شاہد کی وجہ سے یہ روایت بھی حسن ہے۔

۲۲۵۔۲۲۶) وعن كعب بن مالك قال قال رسول الله ﷺ : ((من طلب العلم ليجاري به العلماء أو ليماري به السفهاء أو يصرف به و جوه الناس إليه أدخله الله النار .)) رواه الترمذي .ورواه ابن ماجه عن ابن عمر.

اور (سیدنا) کعب بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص علماء پر فخر کرنے، یا بیوقوفوں سے جھگڑا کرنے، یا لوگوں کے چہرے اپنی طرف پھیرنے کے لئے علم حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے آگ میں داخل کرے گا۔ اسے ترمذی (۲۶۵۴) نے

روایت کیا ہے۔اور ابن ماجہ (۲۵۳) نے (سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔

سنن ترمذی والی روایت میں اسحاق بن یحییٰ بن طلحہ بن عبیداللہ القرشی التیمی ضعیف ہے۔

(دیکھئے تقریب التہذیب: ۳۹۰)

امام ترمذی نے اسی مقام پر فرمایا: یہ حدیث غریب ہے... اور اسحاق بن یحییٰ بن طلحہ اُن (محدثین) کے نزدیک القوی نہیں ہے، اُس کے حافظے کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔

(جامع ترمذی ص ۵۹۸ بتحقیق الالبانی)

اُس پر امام احمد بن حنبل وغیرہ نے شدید جرح کی ہے۔

سنن ابن ماجہ (۲۵۳) والی روایت میں حماد بن عبدالرحمٰن ضعیف (تقریب التہذیب: ۱۵۰۲) اور ابو کرب الازدی مجہول ہے۔ (تقریب التہذیب: ۸۳۲۶)

سنن ابن ماجہ (۲۵۴) وغیرہ میں ابن جریج عن ابی الزبیر عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی سند سے آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**لا تعلموا العلم لتباهوا به العلماء ولا لتماروا به السفهاء ولا تخيّروا به المجالس فمن فعل ذلك فالنار النار.**''

اس کی سند ابن جریج اور ابوالزبیر دو مدلسوں کے عن عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ہی سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''**لا تعلّموا العلم لتباهوا به العلماء أو لتماروا به السفهاء أو لتصرفوا وجوه الناس إليكم فمن فعل ذلك فهو فى النار.**'' (ح۲۵۹)

اس روایت کی سند میں بشیر بن میمون: **متروك متهم** (تقریب التہذیب: ۷۵۹)

اور اشعث بن سوار ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۵۲۴)

سنن ابن ماجہ کی ایک اور روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''**من تعلّم العلم ليباهي به العلماء و يجاري به السفهاء و يصرف به وجوه الناس إليه أدخله الله جهنم.**'' (ح۲۶۰)

اس کی سند میں عبداللہ بن سعید بن ابی سعید المقبری: متروک ہے۔ (تقریب التہذیب: ۳۳۵۶)
شیخ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف روایات کو جمع کر کے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے، حالانکہ یہ حسن نہیں بنتی بلکہ ضعیف ہی ہے۔

فائدہ: آنے والی حدیث (۲۲۷) اس ضعیف روایت سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ والحمدللہ

۲۲۷) وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ :

((من تعلم علمًا مما يبتغي به وجه الله لا يتعلمه إلا ليصيب به عرضًا من الدنيا لم يجد عرف الجنة يوم القيامة .)) يعني ريحها .

رواه أحمد و أبو داود و ابن ماجه .

اور (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص وہ علم حاصل کرے جو صرف اللہ کی رضامندی کے لئے ہی حاصل کیا جاتا ہے، وہ اسے دنیاوی مقصد حاصل کرنے کے لئے سیکھے تو قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔ اسے احمد (۳۳۸/۲ ح ۸۴۳۸) ابوداود (۳۶۶۴) اور ابن ماجہ (۲۵۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند حسن لذاتہ ہے۔ اسے ابن حبان (الاحسان: ۷۸، الموارد: ۸۹) اور حاکم (۸۵/۱ ح ۲۸۸) نے صحیح قرار دیا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: نیکی کا ہر کام بالخصوص دینی علم حاصل کرنے کے لئے خلوصِ نیت ضروری ہے۔

۲: اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

۳: دنیاوی علوم دنیاوی مقاصد کے لئے حاصل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اُن کی ممانعت کسی شرعی دلیل سے ثابت نہ ہو مثلاً نجومیوں کا علم سیکھنا جائز نہیں، اِلا یہ کہ کوئی عالم اور صحیح العقیدہ شخص اُن کا رد کرنے کے لئے اُن کی کتابوں کا مطالعہ کرے۔

۴: اس حدیث میں ممانعت سے اس طرف اشارہ ہے کہ اُمت میں بعض ایسے بدنصیب لوگ ہوں گے جو دنیا حاصل کرنے کے لئے دینی علوم پڑھیں گے۔

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

امام یحییٰ بن معین اور توثیق ابی حنیفہ؟

سوال کیا یہ ثابت ہے کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ کو ثقہ یا صدوق قرار دیا تھا؟ تحقیق کرکے جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیراً (ایک سائل)

الجواب ہمارے علم کے مطابق امام یحییٰ بن معین البغدادی رحمہ اللہ کی طرف منسوب توثیق ابی حنیفہ والی تمام روایات کی تحقیق درج ذیل ہے:

۱) امام ابوزکریا یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا: کیا ابوحنیفہ حدیث میں سچ بولتے تھے؟ انھوں نے کہا: ''**نعم صدوق**'' جی ہاں! سچے تھے۔

(جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ج۲ص۱۴۹، مقام ابی حنیفہ از سرفراز خان صفدر دیوبندی ص۱۲۸)

یہ روایت تین وجہ سے مردود بلکہ موضوع ہے:

اول: اس کا راوی محمد بن الحسین الازدی ضعیف و مجروح ہے۔

دیکھئے تاریخ بغداد (ج۲ص۲۴۴ت۷۰۹)

حافظ ابن حجر نے کہا: اور ازدی ضعیف ہے۔ الخ (ہدی الساری ص۳۸۶ ترجمۃ احمد بن شبیب)

دوم: ازدی سے امام ابن معین تک سند نامعلوم ہے لہٰذا یہ روایت منقطع و بے سند ہے۔

سوم: حافظ ابن عبدالبر سے ازدی تک سند نامعلوم ہے۔

نیز دیکھئے ایک سوال کے جواب میں میرا مضمون: سرفراز خان صفدر کا علمی و تحقیقی مقام؟ روایت نمبر۹ (الحدیث حضرو:۲۷ص۲۲)

۲) احمد بن محمد البغدادی سے روایت ہے کہ (امام) یحییٰ بن معین نے ابوحنیفہ کے بارے میں کہا: وہ عادل اور ثقہ تھے، جن کی تعدیل ابن المبارک اور وکیع کریں، اُس کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ (مناقب کردری ج۱ص۹۱، مقام ابی حنیفہ ص۱۲۸)

یہ روایت کردری (متوفی ۸۲۷ھ) نے کسی ''امام'' (؟) نسفی سے بغیر سند کے ذکر کی ہے اور نسفی سے لے کر احمد بن محمد البغدادی تک سند حذف کر دی ہے۔
احمد بن محمد البغدادی کون تھا؟ یہ بھی (برموداتکون کی طرح) رازوں میں سے ایک راز ہے۔
ان تین علتوں اور مخالفتِ ثقات کی وجہ سے یہ روایت مردود ہے۔

۳) احمد نامی کسی شخص سے روایت ہے کہ یحییٰ بن معین سے ابوحنیفہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ حدیث میں ثقہ تھے؟ تو انھوں نے کہا: ہاں ثقہ تھے، ثقہ تھے، اللہ کی قسم ان کی شان اس سے بہت بلند و بالا تھی کہ وہ جھوٹ بولتے۔

(مناقب موفق المعتزلی ج ۱ ص ۱۹۲، مناقب کردری ج ۱ ص ۲۲۰، مقامِ ابی حنیفہ ص ۱۲۹)

مناقبِ موفق کا پہلا راوی موفق بن احمد معتزلی تھا۔ دیکھئے مناقب الکردری (ج ۱ ص ۸۸) نیز یہ رافضی بھی تھا۔ اس کی توثیق کسی قابلِ اعتماد محدث سے ثابت نہیں ہے۔
اس کا استاد ابوالحسن علی بن الحسین الغزنوی تشیع کی طرف مائل (یعنی شیعہ) تھا۔
دیکھئے المنتظم لابن الجوزی (۱۸/۱۰۹، وفیات ۵۵۱ھ) اور سیر اعلام النبلاء (۲۰/۳۲۵)
غزنوی کا استاد حسین بن محمد بن خسرو البلخی معتزلی تھا۔

(دیکھئے میزان الاعتدال ۱/۵۴۸۔۵۴۷ ت ۲۰۵۵، اور لسان المیزان ۲/۳۱۲)

یہ ضعیف اور حاطبِ لیل بھی تھا۔ دیکھئے لسان المیزان (۲/۳۱۲، دوسرا نسخہ ۲/۵۷۸)
کسی معتبر و مستند محدث سے اس کی توثیق ثابت نہیں ہے۔
ابن خسرو کا استاد ابومنصور الشحی نامعلوم ہے۔
الشحی کا استاد ابوالقاسم التنوخی (علی بن المحسن بن علی) البصری البغدادی: معتزلی اور رافضی تھا۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۱۷/۶۵۰ ت ۴۴۰)
ابوالقاسم التنوخی کے باپ محسن بن علی بن محمد بن ابی الفہم نے یہ روایت کسی ابوبکر سے بیان کی، جو غیر متعین ہے۔
ابوبکر نے یہ روایت احمد نامی شخص سے بیان کی جو کہ سراسر غیر متعین ہے اور اگر اس

سے احمد بن محمد البغدادی مراد لیا جائے تو وہ مجہول تھا جیسا کہ نمبر۲ کی تحقیق میں گزر چکا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ ساری سند ظلمات اور گمراہوں کی وجہ سے موضوع ہے۔

کردری نے یہ روایت بغیر سند کے مرغینانی غزنوی (علی بن الحسین/ شیعہ) سے اوپر والی سند حذف کرکے بیان کی، جس پر تبصرہ اوپر گزر چکا ہے۔ **ضعف الطالب و المطلوب**

آلِ دیوبند کی جرأت پر حیرت ہے کہ وہ کس طرح ایسی موضوع، بے اصل اور مردود روایات چن چن کر بطورِ حجت پیش کرتے ہیں؟!

معتزلیوں اور رافضیوں کی روایات کے دروازے بھی ان لوگوں کے لئے دن رات کھلے ہوئے ہیں۔ سبحان اللہ!

٤) محمد بن سعد العوفی سے روایت ہے کہ یحییٰ بن معین نے کہا:

ابو حنیفہ ثقہ تھے، وہ صرف وہی حدیث بیان کرتے تھے جو ان کو از بر یاد ہوتی تھی اور جو حدیث ان کو یاد نہ ہوتی تھی تو وہ اس کو بیان نہیں کرتے تھے۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۱۹ طبع مصر، دوسرا نسخہ ص ۴۴۹، مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۸۱، مقام ابی حنیفہ ص ۱۲۹)

مقدمہ تحفۃ الاحوذی (ص ۸۱) میں یہ روایت بحوالہ تہذیب التہذیب منقول ہے اور تہذیب التہذیب (ج ۱۰ ص ۴۵۷ ۔ ۴۵۸) میں یہ روایت بغیر کسی سند کے محمد بن سعد العوفی سے مذکور ہے۔ تہذیب الکمال للمزی (ج ۷ ص ۳۴۰) میں بھی یہ قول بے سند ہے۔

تاریخ بغداد میں اس کی مکمل سند مذکور ہے، جس پر تبصرہ درج ذیل ہے:

اول: محمد بن سعد العوفی کو خطیب البغدادی (۳۲۹/۵) اور ابن الجوزی (المنتظم ۲۸۰/۱۲ ت ۱۸۳۵) دونوں نے لین (یعنی ضعیف) کہا اور دارقطنی نے "**لا بأس به**" قرار دیا۔

(دیکھئے سوالات الحاکم: ۱۷۸)

جمہور کی ترجیح کی وجہ سے جرح مقدم ہے۔

دوم: العوفی کا شاگرد محمد بن احمد بن عصام نا معلوم (یعنی مجہول) ہے۔

سوم: ابن عصام کا شاگرد احمد بن علی بن عمرو بن حبیش الرازی ہے، جس کی توثیق نا معلوم

ہے۔ایک ضعیف اور دو مجہول راویوں کی وجہ سے یہ روایت ضعیف و مردود ہے۔

۵) صالح بن محمد الاسدی سے روایت ہے کہ (امام) یحییٰ بن معین نے فرمایا:

ابوحنیفہ حدیث میں ثقہ تھے۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۰ص ۴۵۰،مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۸۱،مقام ابی حنیفہ ص ۱۲۹،اور تہذیب الکمال ۳۴۰/۷)

مقدمہ تحفۃ الاحوذی میں یہ روایت بحوالہ تہذیب التہذیب منقول ہے اور تہذیب التہذیب میں یہ بے سند ہے۔تہذیب التہذیب کی اصل : تہذیب الکمال میں بھی یہ روایت بے سند ہے۔اس روایت کی کوئی سند ہمیں کسی کتاب میں نہیں ملی لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔

ہمارے شیخ ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**ھذا لا یعرف سندہ** ''اس کی سند نامعلوم ہے۔ (انماء الزکن فی تنقید انہاء السکن ص ٦٦)

٦) احمد بن حجر المکی الہیتمی (۹۰۹۔۹۷۳ھ) نامی ایک بدعتی نے اپنی پیدائش سے صدیوں پہلے وفات پانے والے امام یحییٰ بن معین سے بغیر کسی سند سے نقل کیا ہے:

اور ابوحنیفہ فقہ و حدیث میں ثقہ و صدوق اور اللہ کے دین میں قابلِ اعتماد اور مأمون تھے۔

(الخیرات الحسان ص ۴۸،دوسرا نسخہ ص ۳۱،مقام ابی حنیفہ ص ۱۲۹)

یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

تاریخ بغداد (ج ۱۳ص ۴۵۰) میں یہی روایت احمد بن الصلت الحمانی یعنی ابن عطیہ کی سند سے موجود ہے۔ابن عطیہ الحمانی مشہور کذاب تھا،جس کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے جھوٹے لوگوں میں اتنا بے حیا (بے شرم جھوٹا) اور کوئی نہیں دیکھا۔ (الکامل لابن عدی ج ۱ص ۲۰۲،دوسرا نسخہ ج ۱ص ۳۲۷۔۳۲۸)

ابن عطیہ یعنی ابن الصلت مذکور کو ابن حبان ، دارقطنی ، ابن ابی الفوارس ، خطیب بغدادی ، ذہبی ، حاکم نیشاپوری ، ابونعیم الاصبہانی ، ابن الجوزی اور ابن کثیر نے حدیثیں گھڑنے والا (یعنی بڑا جھوٹا) قرار دیا ہے۔

دیکھئے مضمون: سرفراز خان صفدر کا علمی و تحقیقی مقام؟ روایت نمبر ۱ (الحدیث: ۲۷ص ۱۲۔۱۴)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ درج بالا قول موضوع (من گھڑت) ہے، جسے ابن حجر مکی ہیتمی نے سند حذف کر کے رواج دینے کی کوشش کی ہے لہٰذا اس کی کتاب ''الخیرات الحسان'' سراسر نا قابلِ اعتماد ہے بلکہ اس کی ساری کتابیں غیر مستند اور نا قابلِ اعتماد ہیں۔

۷) عبداللہ بن احمد بن ابراہیم الدورقی (ثقہ) سے روایت ہے کہ یحییٰ بن معین نے ابوحنیفہ کے بارے میں فرمایا: وہ ثقہ تھے، میں نے کسی سے نہیں سنا کہ کسی ایک نے بھی انھیں ضعیف کہا ہو اور یہ شعبہ بن الحجاج ہیں جو اُن کی طرف لکھتے تھے کہ وہ حدیث بیان کریں اور انھیں حکم دیتے تھے اور شعبہ شعبہ تھے۔

(الانتقاء لابن عبدالبر ص ۱۲۷، الجواہر المضیہ ج ۱ ص ۲۹، مقام ابی حنیفہ ص ۱۳۰)

الجواہر المضیۂ لعبدالقادر القرشی (متوفی ۷۷۵ھ) میں یہ روایت بحوالہ الانتقاء منقول ہے۔ الانتقاء میں اس کا بنیادی راوی ابویعقوب یوسف بن احمد بن یوسف المکی الصید لانی (ابن الدخیل) مجہول الحال ہے۔ اس کا ذکر تاریخ الاسلام للذہبی (۱۷۸/۲۷، وفیات ۳۸۸ھ) اور العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین للفاسی (۴۸۲/۷ ت ۲۷۶۴) وغیرہما میں بغیر کسی جرح وتعدیل کے مذکور ہے۔

کوثری گروپ کے ایک غالی تقلیدی ابوالوفاء الافغانی نے سخت افسوس کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: '' **ومن الأسف أني لم أجد ترجمته في كتب الرجال ولا فی الطبقات** '' اور افسوس! کہ مجھے اس کے حالات اسماء الرجال کی کتابوں میں نہیں ملے اور نہ کتبِ طبقات میں ملے ہیں۔ (مقدمۃ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصیمری ص ج بقلم ابی الوفاء الافغانی: رئیس لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد، الہند)

مجہول کے لئے افسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اصولِ حدیث کی رو سے اُس کی ہر روایت رد کر دینا ہی صحیح ہے اِلا یہ کہ معتبر متابعت یا شاہد ثابت ہو۔

سرفراز خان نے روایتِ مذکورہ میں عبداللہ بن احمد بن ابراہیم الدورقی کی توثیق تو بیان کر دی لیکن ابن الدخیل الصید لانی کی توثیق سے مکمل خاموشی برتی۔!

ابن الدخیل کا استاذ احمد بن الحسن الحافظ غیر متعین ہونے کی وجہ سے بمنزلۂ مجہول ہے۔
معلوم ہوا کہ یہ سند ضعیف ومردود ہے۔

اس ضعیف سند کے برعکس امام شعبہ بن الحجاج سے صحیح وثابت سند کے ساتھ نعمان بن ثابت پر جرح منقول ہے۔ مثلاً دیکھئے کتاب الضعفاء للعقیلی (۲۸۱/۴، وفی نسخۃ اخریٰ ۴۳۳/۳ وسندہ صحیح) اور کتاب السنۃ لعبداللہ بن احمد بن حنبل (۳۴۵ وسندہ صحیح)

۸) عباس بن محمد الدوری سے روایت ہے کہ یحییٰ بن معین نے کہا:

''**كان أبو حنيفة أنبل من أن يكذب ، كان صدوقًا إلا أن في حديثه ما في حديث الشيوخ**'' ''ابوحنیفہ جھوٹ بولنے سے بہت بلند تھے، وہ سچے تھے مگر اُن کی حدیث میں ایسی باتیں ہیں جو شیوخ کی حدیث میں ہوجاتی ہیں۔ (تاریخ بغداد ۴۴۹/۱۳)

اس روایت کی سند موضوع ہے کیونکہ اس کا راوی احمد بن عبدالرحمٰن بن الجارود الرقی کذاب تھا۔

ابن الجارود کے بارے میں خطیب بغدادی نے کہا: ''**فإنه كذاب**''

پس بے شک وہ کذاب (جھوٹا) ہے۔ (تاریخ بغداد ج۲ ص۲۴۷ ت ۷۱۶)

نیز دیکھئے لسان المیزان (ج۱ ص۲۱۳، دوسرا نسخہ ج۱ ص۳۱۹۔۳۲۰)

۹) نصر بن محمد البغدادی سے روایت ہے کہ (امام) یحییٰ بن معین فرماتے تھے:

محمد بن الحسن (بن فرقد الشیبانی) کذاب تھا اور جہمی تھا، اور ابوحنیفہ جہمی تھے اور کذاب نہیں تھے۔ (تاریخ بغداد ج۱۳ ص۴۴۹)

اس روایت میں نصر بن محمد نامعلوم ہے لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

اگر اس سے مراد مضر بن محمد البغدادی ہو۔ (دیکھئے التنکیل للیمانی ج۱ ص۴۹۰ ت ۲۵۶)

تو پھر تاریخ بغداد والی سند صحیح ہے۔

۱۰) احمد بن محمد بن القاسم بن محرز سے روایت ہے کہ ابن معین کہتے تھے:

''**كان أبو حنيفة لابأس به وكان لا يكذب ... أبو حنيفة عندنا من أهل**

الصدق ولم یتھم بالکذب ... ''ابوحنیفہ لابأس بہ (یعنی ثقہ) تھے، وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے... ہمارے نزدیک ابوحنیفہ سچے لوگوں میں سے تھے اور اُن پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگی... (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۴۹)

یہ روایت تین وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

اول: احمد بن محمد بن القاسم بن محرز کی توثیق نامعلوم ہے۔

دوم: جعفر بن درستویہ کے حالات اور ثقہ ہونا نامعلوم ہے۔

سوم: احمد بن مسعدہ الفزاری نامعلوم ہونے کی وجہ سے مجہول ہے۔

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکابلی الکوفی کے بارے میں یحییٰ بن معین البغدادی کی توثیق کی یہ کل روایات ہیں، جو ہم تک پہنچی ہیں۔ آپ نے دیکھ لیا کہ یہ سب روایات ضعیف و مردود ہیں، ان میں سے ایک بھی صحیح یا حسن لذاتہ نہیں لہٰذا ان روایات سے استدلال مردود ہے۔

تنبیہ: میرے علم کے مطابق خیر القرون کے زمانے (۸۰ھ سے لے کر ۳۰۰ھ تک) میں کسی ایک مستند و قابلِ اعتماد محدث و عالم دین سے امام ابوحنیفہ کی مطلقاً صریح توثیق ثابت نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص مطلقاً ثقہ وصدوق کا ایک صریح حوالہ دورِ مذکور سے باسند صحیح پیش کر دے تو ہم اُس کے از حد ممنون ہوں گے۔ یاد رہے کہ بے سند حوالوں یا الزامی جواب کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ان توثیقی روایات کے بعد اب جرح والی روایات اور ان کی تحقیق پیشِ خدمت ہے:

۱) معتدل امام ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۵ھ) نے فرمایا:

''**ثنا علي بن أحمد بن سلیمان: ثنا ابن أبي مریم قال: سألت یحیی بن معین عن أبي حنیفة؟ قال: لا یکتب حدیثه**'' ہمیں علی بن احمد بن سلیمان (علان) نے حدیث بیان کی (کہا): ہمیں (احمد بن سعد) ابن ابی مریم نے حدیث بیان کی، کہا: میں نے ابوحنیفہ کے بارے میں یحییٰ بن معین سے پوچھا؟ انھوں نے فرمایا: اُس کی

حدیث نہ لکھی جائے۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۷ص ۲۴۷۳ وسندہ صحیح)

اسے خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (۴۵۰/۱۳) میں اور ابن الجوزی نے المنتظم (۱۳۷/۸، من طریق الخطیب) میں علی بن احمد بن سلیمان المقریٔ (علان) سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اس قول کو حافظ ذہبی نے اپنی کتاب دیوان الضعفاء (۴۰۴/۲ ت ۴۳۸۹) میں بطورِ جزم بیان کیا ہے۔

امام ابن عدی مشہور ثقہ امام تھے۔ ابو سعد عبدالکریم بن محمد بن منصور السمعانی (متوفی ۵۶۲ھ) نے کہا: ''و کان حافظًا متقناً ، لم یکن في زمانه مثله ... ''

وہ ثقہ حافظ تھے، اُن کے زمانے میں اُن جیسا کوئی نہیں تھا... (الانساب ۴۱/۲، الجرجانی)

امام دارقطنی نے الکامل لابن عدی کے بارے میں کہا: یہ (کتاب) کافی ہے، اس پر اضافہ نہیں کیا جاتا۔ (تاریخ جرجان للامام حمزہ السہمی: ۴۴۳)

حافظ ذہبی نے کہا: '' هو الإمام الحافظ الناقد.... '' (سیر اعلام النبلاء ۱۵۴/۱۶)

حافظ ابن عساکر نے کہا: '' و کان مصنفًا حافظًا ثقة علٰی لحن فیه ''

وہ مصنف حافظ ثقہ تھے، ان کے کلام میں لحن تھا۔ (تاریخ دمشق ج ۳۳ص ۵)

حمزہ بن یوسف السہمی نے اپنے استاذ امام ابن عدی کے بارے میں فرمایا:

وہ حافظ متقن (ثقہ) تھے، ان کے زمانے میں اُن جیسا کوئی نہیں تھا...

(تاریخ جرجان: ۴۴۳ص ۱۱۷، تاریخ دمشق لابن عساکر ۶/۳۳ وسندہ صحیح)

ابن عدی کے بارے میں محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی (صوفی) نے کہا:

'' وقسم معتدل کأحمد والدارقطني و ابن عدي '' اور ایک گروہ معتدل (انصاف والا) ہے جیسے احمد (بن حنبل)، دارقطنی اور ابن عدی۔ (المتکلمون فی الرجال ص ۱۳۷)

حافظ ذہبی نے کہا: '' و قسم کالبخاري و أحمد بن حنبل و أبي زرعة و ابن عدي :معتدلون منصفون . '' اور ایک گروہ جیسے بخاری، احمد بن حنبل، ابوزرعہ اور ابن عدی: یہ معتدل (اور) انصاف کرنے والے تھے۔ (ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل ص ۱۵۹)

بہت بعد کے زمانے (شر القرون) میں بعض حنفیوں (ظاہریۃ اہل الرائے) نے امام ابن عدی پر تعصب کا الزام لگایا ہے جو کہ درج بالا توثیق کی وجہ سے مردود ہے۔

ابن عدی کے استاذ علی بن احمد بن سلیمان بن ربیعہ الصیقل المصری: علان ثقہ تھے۔

حافظ ذہبی نے کہا: '' **الإمام المحدّث العدل** '' وہ امام محدث (اور) عادل تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۴/۴۹۶)

ابوسعید بن یونس المصری نے کہا: '' **كان ثقة كثير الحديث ...** '' وہ ثقہ تھے، ان کی حدیثیں زیادہ ہیں... (تاریخ ابن یونس المصری: تاریخ المصریین، القسم الاول ج ۱ ص ۳۵۵ ت ۹۷۱)

آگے لکھا ہے: '' **و في خلقه زعارة** '' اور ان کے اخلاق میں تند خوئی تھی۔ (ایضاً ص ۳۵۶)

جمہور کی توثیق کے بعد تند خوئی والی جرح مردود ہے۔

علان کے استاذ احمد بن سعد بن الحکم بن محمد بن سالم عرف ابن ابی مریم (متوفی ۲۵۳ھ) صدوق تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۳۵)

خلاصہ یہ کہ یہ سند صحیح ہے۔

۲) امام عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کہا:

'' **حدثني أبو الفضل : ثنا يحيى بن معين قال: كان أبو حنيفة مرجئًا و كان من الدعاة ولم يكن في الحديث بشيءٍ و صاحبه أبو يوسف ليس به بأس** ''

مجھے ابو الفضل (حاتم بن اللیث الخراسانی) نے حدیث بیان کی، ہمیں یحییٰ بن معین نے حدیث بیان کی، کہا: ابوحنیفہ مرجی تھے اور (اس طرف) دعوت دینے والے تھے اور وہ حدیث میں کچھ چیز نہیں تھے اور ان کا ساتھی (شاگرد) ابو یوسف (القاضی) **ليس به بأس** (یعنی ثقہ) ہے۔ (کتاب السنۃ: ۴۰۲ وسندہ صحیح، مخطوط مصور ص ۲۲ ا)

عبداللہ بن احمد بن حنبل ثقہ تھے۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۳۲۰۵) اور میری کتاب: علمی مقالات (ج ۱ ص ۳۹۲)

ابو الفضل حاتم بن اللیث الخراسانی ثقہ تھے۔

دیکھئے تاریخ بغداد (۸/۲۴۵ ت ۴۳۴۶) کتاب الثقات لابن حبان (۸/۲۱۱) اورالمنتظم لابن الجوزی (۱۲/۵/۷۵ات ۱۶۷۰، وفیات ۲۶۲ھ)

خلاصہ یہ کہ یہ سند بالکل صحیح ہے۔

تنبیہ: قاضی ابو یوسف کو چونکہ جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا تھا لہٰذا تحقیقِ راجح میں وہ ضعیف تھے۔ دیکھئے علمی مقالات (ج ۱ ص ۵۳۳۔۵۴۸)

امام یحییٰ بن معین سے قاضی ابو یوسف کی توثیق والی دیگر روایات بھی ہیں۔

دیکھئے علمی مقالات (ج ۱ ص ۵۳۵)

دوسری طرف یہ بھی صحیح روایت ہے کہ یحییٰ بن معین نے قاضی ابو یوسف کے بارے میں کہا: ''**لا یکتب حدیثه**'' اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔

(الکامل لابن عدی ۸/۴۶۶ وسندہ صحیح، تاریخ بغداد ۱۴/۲۵۸، نیز دیکھئے علمی مقالات ج ۱ ص ۵۳۹)

اس صحیح روایت اور جمہور کی جرح کی رو سے امام ابن معین کی قاضی ابو یوسف کے بارے میں توثیقی روایات منسوخ ہیں۔

۳) ابو خالد یزید بن الہیثم الدقاق الباد انے اپنی کتاب میں کہا: میں نے یحییٰ (بن معین) کو فرماتے ہوئے سنا: وہ حدیث جسے موسیٰ بن ابی عائشہ عن عبداللہ بن (شداد) عن جابر عن النبی ﷺ کی سند سے ابو حنیفہ روایت کرتے تھے: **من کان له إمام فقراء ة إمامه له قراء ة** (جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اُس کی قراءت ہے) یہ حدیث کچھ چیز نہیں ہے، یہ صرف عبداللہ بن شداد (سے یعنی مرسل) ہے۔ (من کلام یحییٰ بن معین فی الرجال ص ۱۲۱ رقم ۳۹۷)

یہ قول امام ابن معین سے صحیح ثابت ہے۔ یزید بن الہیثم بن طہمان ثقہ تھے۔

دیکھئے سوالات الحاکم النیسابوری للدارقطنی (۲۴۳) تاریخ بغداد (۱۴/۳۴۹ ت ۷۶۶۶) اورالمنتظم (طبعہ قدیمہ ۵/۵/۷۵ا، طبعہ جدیدہ ۱۲/۶/۳۷ وفیات ۲۸۴ھ)

۴) محمد بن عثمان بن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

یحییٰ بن معین سے ابو حنیفہ کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے انھیں (یہ) فرماتے ہوئے

سنا: ''کان یضعف فی الحدیث'' وہ حدیث میں ضعیف قرار دیا جاتا تھا۔ (الضعفاء الکبیر للعقیلی ۴/ ۲۸۵ وسندہ حسن، تاریخ بغداد ۱۳/ ۴۵۰ وسندہ حسن، مسألۃ الاحتجاج بالشافعی للخطیب ص ۵۹)

اس روایت کو عقیلی اور ہبۃ اللہ بن محمد بن حبیش الفراء (ثقہ/ تاریخ بغداد ۱۴/ ۷۰ ت ۷۴۱۶) دونوں نے محمد بن عثمان بن ابی شیبہ سے بیان کیا ہے اور محمد بن عثمان مذکور جمہور محدثین کی توثیق کی وجہ سے حسن الحدیث تھے۔ دیکھئے علمی مقالات (ج ۱ ص ۴۷۵۔ ۴۸۳)

ان پر ابن عقدہ (رافضی اور چور) کی جرح مردود ہے۔

۵) خطیب بغدادی نے کہا:

''**أخبرنا عبید اللّٰہ بن عمر الواعظ : حدثنا أبي : حدثنا محمد بن یونس الأزرق : حدثنا جعفر بن أبي عثمان قال: سمعت یحیی و سألته عن أبي یوسف و أبي حنیفة فقال: أبو یوسف أوثق منه في الحدیث ، قلت: فکان أبو حنیفة یکذب ؟ قال: کان أنبل في نفسه من أن یکذب**''

جعفر بن ابی عثمان (الطیالسی) سے روایت ہے کہ میں نے یحییٰ (بن معین) سے ابو یوسف اور ابو حنیفہ کے بارے میں پوچھا؟ تو انھوں نے فرمایا: حدیث میں ابو یوسف اس سے زیادہ ثقہ تھے۔ میں (جعفر) نے کہا: کیا ابو حنیفہ جھوٹ بولتے تھے؟ انھوں نے کہا: وہ جھوٹ بولنے سے فی نفسہ بہت بلند تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۴۹ وسندہ صحیح)

اس کی سند صحیح ہے اور راویوں کا مختصر حال درج ذیل ہے:

(۱) عبید اللہ بن عمر الواعظ صدوق (سچے) تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۳۸۶ ت ۵۵۶۱)

(۲) عمر بن احمد بن عثمان المعروف بابن شاہین البغدادی ثقہ امین تھے۔

(تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۶۵ ت ۶۰۲۸)

نیز دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۱۶/ ۴۳۱) اور تذکرۃ الحفاظ (۳/ ۹۸۸)

(۳) محمد بن یونس الازرق ثقہ تھے۔ (تاریخ بغداد ۳/ ۴۴۶ ت ۱۵۷۶)

(۴) جعفر بن ابی عثمان الطیالسی ثقہ ثبت تھے۔ (تاریخ بغداد ۷/ ۱۸۸ ت ۳۶۴۰)

یہاں پر بطورِ فائدہ عرض ہے کہ روایتِ مذکورہ کے مطابق ابو یوسف کا نعمان بن ثابت سے زیادہ ثقہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ امام یحییٰ بن معین کے نزدیک نعمان مذکور ثقہ تھے اور ایک صحیح روایت میں امام یحییٰ بن معین کے نزدیک قاضی ابو یوسف: ''**لا یکتب حدیثه**'' تھے۔ دیکھئے تجریحی روایت نمبر۲، لہٰذا توثیقی روایات منسوخ ہیں یا امام ابن معین سے دونوں قسم کی روایات متعارض و متناقض ہونے کی وجہ سے ساقط ہیں۔ واللہ اعلم

قاضی ابو یوسف کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے لہٰذا نعمان بن ثابت رحمہ اللہ پر اُن کی ترجیح کا مطلب یہ ہے کہ نعمان جمہور بلکہ بہت زیادہ محدثین کے نزدیک مجروح تھے۔

۶) ابوبکر محمد بن حماد بن بکر بن حماد المقرئ رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۷ھ) نے فرمایا:

میں نے یحییٰ بن معین سے ابوحنیفہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا:

''**و أیش کان عند أبي حنیفة من الحدیث حتی تسأل عنه؟**''

ابوحنیفہ کے پاس کتنی حدیثیں تھیں کہ تم اُس کے بارے میں پوچھتے ہو؟

(تاریخ بغداد ۱۳/۴۴۵ وسندہ صحیح)

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے امام ابوحنیفہ کی توثیق ثابت نہیں بلکہ جرح اور تضعیف ثابت ہے۔

عبدالغفار دیوبندی نامی ایک شخص نے امام ابن معین کے بارے میں لکھا ہے:

''**الحنفی المقلد**'' (دیوبندی رسالہ: قافلۂ حق ج۳ شمارہ:۴ ص۱۹)

عبدالغفار (.....) کی یہ بات بالکل جھوٹ بلکہ کالا جھوٹ ہے۔

امام ابن معین کا مقلد ہونا قطعاً ثابت نہیں اور یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ حنفی ہوں اور پھر اپنے امام کو ضعیف اور **لا یکتب حدیثه** کہتے رہیں؟!

وہ نہ حنفی تھے اور نہ مقلد تھے بلکہ عظیم الشان محدث اور جلیل القدر عالم تھے۔ عالم مقلد نہیں ہوتا بلکہ ''تقلید'' کرنا تو جاہلوں کا کام ہے۔

حافظ ابن عبدالبر الاندلسی (متوفی ۴۶۳ھ) نے لکھا ہے: ''**قالوا: والمقلّد لا علم له**

ولم یختلفوا في ذلك ''انھوں (علماء) نے کہا: اور مقلد لاعلم ہوتا ہے اور اس میں اُن کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ج۲ ص ۱۱۷، اعلام الموقعین ج۲ ص ۱۹۷)

حافظ ابن القیم نے لکھا ہے:

'' **و إذا کان المقلّد لیس من العلماء باتفاق العلماء لم یدخل في شيءٍ من ھذہ النصوص** ''اور جب علماء کے اتفاق کے ساتھ مقلد علماء میں سے نہیں ہے تو وہ ان دلائل (علم وفضیلت) میں داخل نہیں ہے۔ (اعلام الموقعین ج۲ ص۲۰۰)

آلِ دیوبند کی ''خدمت'' میں عرض ہے کہ کیا وہ امام ابن معین رحمہ اللہ کو بھی اپنے جیسا لاعلم و جاہل سمجھتے ہیں کہ انھیں علماء کی صف سے نکال کر مقلدین میں شامل کر دیا ہے؟

یا یہ لوگ خوفِ آخرت سے بے نیاز ہو کر جھوٹی اور باطل باتیں پھیلانے میں ہمہ تن مدہوش ہیں؟!

نیز دیکھئے برادرِ محترم غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری حفظہ اللہ کا تحقیقی مضمون: ''امام ابو حنیفہ امام یحییٰ بن معین کی عدالت میں'' [ماہنامہ السنہ جہلم (شمارہ: ۷ا ص ۲۶۔۳۱)]

(۳/نومبر ۲۰۰۹ء)

والدین کی اطاعت

دینِ اسلام میں والدین کی اطاعت فرض ہے اور ان کا اتنا عظیم الشان مقام ہے کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

((إن کان العدوّ عند باب البیت فلا تذھب إلیه إلا بإذن أبویك.))

اگر دشمن گھر کے دروازے کے پاس پہنچ جائے تو پھر بھی اپنے والدین کی اجازت کے بغیر اُس کی طرف (لڑنے کے لئے) نہ جا۔

(المعجم الصغیر للطبرانی ۱/۱۰۴ ح ۲۷۸ وسندہ حسن، باب من اسمہ اسامہ)

تنبیہ: روایتِ مذکورہ میں اسامہ بن علی بن سعید بن بشیر الرازی اور احمد بن عبدالرحمٰن بن وہب دونوں حسن الحدیث راوی ہیں اور باقی سند صحیح ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

ختمِ نبوت کی احادیثِ صحیحہ پر قادیانیوں کے حملے

اور اُن کا جواب

(قسط نمبر ۲، آخری)

۱۰) اللہ دتا جالندھری قادیانی نے لکھا ہے:

''اس روایت کے دوسرے راوی زہری کے متعلق بھی لکھا ہے'' **کان یدلس فی النادر**''

(میزان الاعتدال جلد ۴ زیر نام محمد بن مسلم الزہری دار الفکر العربی وانوار محمدی جلد ۲ ص ۴۴۸)

کہ راوی کبھی کبھی تدلیس بھی کرتا تھا۔ پس اس روایت میں بھی اس راوی نے ازراہ تدلیس'' **والعاقب الذی لیس بعده نبیٌ**'' کے الفاظ بڑھادئے۔''

(القول المبین ص ۵۸)

عرض ہے کہ صحیح بخاری میں امام ابن شہاب الزہری کی اس حدیث میں سماع کی تصریح موجود ہے۔ (کتاب التفسیر، سورۃ الصّف ح ۴۸۹۶)

لہٰذا یہاں تدلیس کا اعتراض مردود ہے۔

دوسرے یہ کہ'' **والعاقب الذی لیس بعده نبیٌ**'' یعنی العاقب اسے کہتے ہیں جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو، کے الفاظ امام زہری نے ایک سوال کے جواب میں حدیث کی تشریح کے طور پر فرمائے تھے اور راویٔ حدیث کی تشریح بعد میں آنے والے تمام لوگوں کے مقابلے میں راجح ہے بلکہ یہ تشریح قرآن وحدیث کی موافقت اور سلف صالحین کے متفقہ فہم ہونے کی وجہ سے حجت ہے۔

۱۱) ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**أنا آخر الأنبیاء و أنتم آخر الأمم .**)) میں آخری نبی ہوں اور تم آخری اُمت ہو۔

اس حدیث کو سنن ابن ماجہ سے نقل کر کے قادیانی نے دو راویوں عبدالرحمٰن بن محمد

المحاربی اور اسماعیل بن رافع ابورافع پر جرح کی ہے۔ دیکھئے القول المبین (ص ۵۹)

عرض ہے کہ امام ابوبکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم رحمہ اللہ (متوفی ۲۸۷ھ) نے فرمایا:

'' **حدثنا أبو عمير :ثنا ضمرة عن يحى بن أبي عمرو السيباني عن عمرو بن عبدالله الحضرمي عن أبي أمامة الباهلي قال :خطبنا رسول الله ﷺ ذات يوم ... ((و أنا آخر الأنبياء و أنتم آخر الأمم ..))** '' ہمیں ابوعمیر (عیسیٰ بن محمد بن اسحاق النحاس الرملی) نے حدیث بیان کی، انھوں نے ضمرہ (بن ربیعہ) سے، انھوں نے یحییٰ بن ابی عمرو السیبانی سے، انھوں نے عمرو بن عبداللہ الحضرمی سے، انھوں نے ابوامامہ الباھلی (رضی اللہ عنہ) سے، انھوں نے فرمایا: ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا...آپ نے فرمایا: اور میں آخری نبی ہوں اور تم آخری اُمت ہو۔

(کتاب السنہ لابن ابی عاصم: ۳۹۱ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۴۰۰)

اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے اور راویوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

(۱) ابوعمیر النحاس: **ثقة فاضل** (تقریب التہذیب: ۵۳۲۱)

(۲) ضمرہ بن ربیعہ کو امام ابن معین اور جمہور محدثین کرام نے ثقہ وصدوق قرار دیا لہٰذا وہ حسن الحدیث تھے۔

(۳) یحییٰ بن ابی عمرو السیبانی: **ثقة إلخ** (تقریب التہذیب: ۷۶۱۶)

(۴) عمرو بن عبداللہ کو امام عجلی اور حافظ ابن حبان وغیرہما نے ثقہ اور صحیح الحدیث قرار دیا ہے لہٰذا وہ ثقہ تھے۔

(۵) ابوامامہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی تھے۔

ہماری اس روایت میں وہ راوی ہی نہیں جن پر قادیانی نے جرح کر رکھی ہے لہٰذا یہ جرح مردود ہے۔

۱۲) ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان القرشی المدنی رحمہ اللہ (تبع تابعی) کو امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور ابوحاتم الرازی وغیرہم نے ثقہ کہا بلکہ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ انھیں

''أمیر المؤمنین فی الحدیث '' کہتے تھے۔

(کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۴۹/۵ وسندہ حسن)

امام ربیعہ نے امام ابوالزناد پر ذاتی دشمنی کی وجہ سے جرح کی تھی، جسے قادیانی نے درج ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

'' ابوالزناد کے متعلق ربیعہ کا قول ہے کہ ''لیس بثقۃٍ ولا رضیً ''(میزان الاعتدال جلد ۳ص ۱۳۲ زیر نام عبداللہ بن ذکوان دارالفکر العربی) کہ یہ راوی نہ ثقہ ہے اور نہ پسندیدہ۔ پس یہ روایت قابل استناد نہیں رہی۔'' (القول المبین ص ۶۷)

عرض ہے کہ میزان الاعتدال کے اسی مقام پر ربیعہ رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کے فوراً بعد حافظ ذہبی نے لکھا ہے:''قلت : لا یُسمع قول ربیعة فیه فإنه کان بینهما عداوة ظاهرة . '' میں نے کہا: اُن کے بارے میں ربیعہ کا قول قابلِ سماعت نہیں کیونکہ دونوں کے درمیان واضح دشمنی تھی۔ (میزان الاعتدال ج ۲ص ۴۱۸ ت ۴۳۰۱، دوسرا نسخہ ج ۴ص ۹۵)

مذکورہ مقام پر حافظ ذہبی کے ضروری تبصرے کو چھپانا خیانت اور ایک دو کے شاذ اقوال کو جمہور کے مقابلے میں پیش کرنا باطل ومردود ہے۔

۱۳) سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((**لا تقوم الساعة حتی تلحق قبائل من أمتي بالمشرکین و حتی یعبدوا الأوثان و إنه سیکون في أمتي ثلاثون کذابون کلهم یزعم أنه نبي و أنا خاتم النبیین لا نبي بعدي .**)) قیامت اُس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک میری اُمت کے کچھ قبائل مشرکوں کے ساتھ مل نہ جائیں اور حتیٰ کہ وہ اَوثان (بتوں) کی عبادت کریں گے۔

اور میری اُمت میں تیس (۳۰) کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے اور (یادرکھو) میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

(سنن الترمذی کتاب الفتن باب ماجاء لاتقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون ح ۲۲۱۹ وقال:ھذا حدیث صحیح)

اس حدیث کو حافظ ابن حبان نے اپنی صحیح میں درج کیا ہے یعنی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان: ۱۹۴/۷، دوسرا نسخہ: ۲۲۳۸/۷)

اس صحیح حدیث پر جرح کرتے ہوئے اللہ دتا قادیانی نے لکھا ہے:

''(ب) تیس دجالوں والی حدیث کو ترمذی نے جس طریقہ سے نقل کیا ہے اس کو اسناد میں ابوقلابہ اور ثوبان دو راوی ناقابل اعتبار ہیں ابوقلابہ کے متعلق تو لکھا ہے کہ **لیس ابو قلابة من فقهاء التابعين وهو عند الناس معدودٌ فی البله انه مدلّسٌ عمن لحقهم و عمن لم يلحقهم** '' (میزان الاعتدال زیر نام عبداللہ بن زید بن عمرو الجرمی البصری دارالفکر العربی۔ نیز تہذیب التہذیب جلد۵ ص ۱۹۹ عبدالتواب اکیڈمی ملتان) کہ ابوقلابہ فقہاء میں سے نہ تھا بلکہ وہ ابلہ مشہور تھا اور جو اسے ملا اس کے بارے میں جو اسے نہیں ملا اس کے بارے میں وہ تدلیس کیا کرتا تھا۔'' (القول المبین ص ۶۷)

امام ابوقلابہ عبداللہ بن زید الجرمی کو ابن سعد، عجلی اور ابن حبان (ذکرہ فی کتاب الثقات ۲/۵) وغیرہم نے ثقہ قرار دیا بلکہ حافظ ابن عبدالبر نے فرمایا: '' **أجمعوا علٰی أنه من ثقات العلماء** '' اس پر اجماع ہے کہ وہ ثقہ علماء میں سے ہیں۔ (کتاب الاستغناء فی معرفۃ المشہورین من حملۃ العلم بالکنیٰ لابن عبدالبر ۸۹۵/۲۔۸۹۶ ت ۱۰۶۳، واللفظ لہ، کتاب الاستغناء فی اسماء المشہورین بالکنیٰ من حملۃ الحدیث، تالیف ابن عبدالبر تلخیص محمد بن ابی الفتح البعلی، مصوّرہ من المخطوط ص ۹۳)

اس اجماع کے مقابلے میں ابن التین شارح البخاری (متوفی ۶۱۱ھ) نے بغیر سند کے اپنی وفات سے دوسو آٹھ (۲۰۸) سال پہلے فوت ہو جانے والے ابوالحسن علی بن محمد القابسی (متوفی ۴۰۳ھ) سے جو جرح (بلکہ وہ ابلہ مشہور تھا) نقل کی ہے، دو وجہ سے مردود ہے:

اول: یہ بے سند ہونے کی وجہ سے ثابت نہیں ہے لہٰذا مردود ہے۔

دوم: امام ابوقلابہ کے شاگرد رشید امام ایوب السختیانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''**كان والله أبو قلابة من الفقهاء ذوی الألباب .**''

اللہ کی قسم! ابوقلابہ عقل مند فقہاء میں سے تھے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۵۸/۵ وسندہ صحیح)

تنبیہ: ابن التین کی مذکورہ بے سند جرح میزان الاعتدال میں نہیں ملی لہٰذا اس سلسلے میں میزان کا حوالہ وہم و غلط ہے۔

رہا ابو قلابہ کی روایت پر حافظ ذہبی کی طرف سے تدلیس کا اعتراض تو یہ دو وجہ سے مردود ہے:

اول: حافظ ذہبی سے زیادہ بڑے امام اور متقدم محدث ابو حاتم الرازی نے ابو قلابہ کے بارے میں فرمایا: "**لا یعرف له تدلیس**" اور اُن کا تدلیس کرنا معروف (معلوم) نہیں ہے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۵/۵۸)

دوم: حافظ ذہبی کا یہ کہنا کہ " **إلا أنه یدلس عمن لحقهم و عمن لم یلحقهم ..** " مگر وہ تدلیس کرتے تھے اُن سے جن سے اُن کی ملاقات ہوئی تھی اور اُن سے (بھی تدلیس کرتے تھے) جن سے ملاقات نہیں ہوئی... (میزان الاعتدال ۲/۴۲۶)

اس بات کی دلیل ہے کہ حافظ ذہبی تدلیس اور ارسال میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے اور یہ اصولِ حدیث کے عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ تدلیس اور ارسال میں فرق ہے۔ جن سے ملاقات نہ ہو، اُن سے روایت مرسل ہوتی ہے، نہ کہ تدلیس والی روایت لہٰذا حافظ ذہبی کا ابو قلابہ رحمہ اللہ پر تدلیس کا الزام غلط ہے۔

تنبیہ: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ پر جرح کا جواب متصل بعد آرہا ہے۔ دیکھئے فقرہ نمبر ۱۴

۱۴) اللہ دتا قادیانی نے سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جرح کرتے ہوئے لکھا ہے: "اسی طرح ثوبان کے متعلق ازدی کا قول ہے کہ "**یتکلمون فیه**" (میزان الاعتدال جلد ا ص ۳۷۳ زیر نام ثوبان دار الفکر العربی) کہ اس راوی کی صحت میں اہل علم کو کلام ہے۔" (القول المبین ص ۶۷)

عرض ہے کہ جس ثوبان پر بقول ازدی (اہلِ علم کو) کلام ہے، اس کا نام ثوبان بن سعید ہے جس سے ابو حاتم الرازی نے عبادان (ایک شہر) میں ۲۴۵ھ میں حدیثیں لکھی تھیں اور ابو زرعہ (الرازی) نے فرمایا: "**لا بأس به**" اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں ہے۔

دیکھئے لسان المیزان (ج ۲ ص ۸۵) اور کتاب الجرح والتعدیل (ج ۲ ص ۴۷۰)

ابوزرعہ الرازی کے مقابلے میں ازدی (بذاتِ خود ضعیف و مجروح) کی جرح مردود ہے، تاہم عرض ہے کہ سنن ترمذی وغیرہ میں ثوبان (رضی اللہ عنہ) سے اس حدیث کے راوی ابو اسماء عمرو بن مرثد الرجبی ہیں جو عبدالملک (بن مروان) کی حکومت کے زمانے میں فوت ہوگئے تھے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب:۵۱۰۹)

عبدالملک بن مروان بن الحکم الاموی ۸۶ ہجری میں مرا تھا، تو کیا قادیانی علم الکلام کے مطابق ابو اسماء الرجبی اپنی وفات کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر تیسری صدی ہجری یعنی ۲۴۵ھ میں ایک محدث کے پاس پڑھنے کے لئے آگئے تھے؟!

حدیثِ مذکور میں ازدی والا ثوبان بن سعید راوی نہیں بلکہ ۵۴ ہجری میں فوت ہونے والے مشہور صحابی سیدنا ثوبان بن بُجدُد الہاشمی رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جیسا کہ تہذیب الکمال اور کتب الاطراف وغیرہ سے صاف ظاہر ہے۔

تنبیہ: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ پر عبدالرحمٰن خادم قادیانی نے بھی اللہ دتا والی جرح کی ہے کہ ''ازدی کا قول ہے.... اس راوی کی صحت میں کلام ہے۔'' (پاکٹ بک ص ۳۱۲)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ علم اسماء الرجال اور علمِ حدیث سے قادیانی حضرات بالکل کورے اور جاہل ہیں بلکہ صحابۂ کرام پر حملہ کرنے سے بھی نہیں چُوکتے، مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے:

''اور معلوم ہوتا ہے کہ بعض ایک دو کم سمجھ صحابہ کو جن کی درائیت عمدہ نہیں تھی۔ عیسائیوں کے اقوال سُنکر جو اردگرد رہتے تھے۔ پہلے کچھ یہ خیال تھا کہ عیسیٰ آسمان پر زندہ ہے جیسا کہ ابوہریرہ جو غبی تھا اور درایت اچھی نہیں رکھتا تھا لیکن جب حضرت ابوبکر نے...''

(قادیانی: روحانی خزائن ج ۱۹ ص ۱۲۶۔ ۱۲۷)

اس عبارت میں مرزا نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی توہین کی ہے اور صحابۂ کرام پر جھوٹ بولا ہے۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہوئے مرزا غلام احمد نے لکھا ہے:
''معلوم ہوتا ہے کہ اس اجماع سے پہلے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی وفات پر ہوا بعض نادان صحابی جن کو درایت سے کچھ حصہ نہ تھا وہ بھی اس عقیدہ سے بے خبر تھے کہ کل انبیاء فوت ہو چکے ہیں۔'' الخ (قادیانی روحانی خزائن ج۲۱ ص۲۸۵)

صحابۂ کرام کو غبی، نادان اور اسلامی عقیدے سے بے خبر کہنے والا بذاتِ خود بڑا کذاب اور دجال ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اے اللہ! اپنے اس بندے (ابو ہریرہ) اور اس کی ماں کو مومنوں کا محبوب بنا دے... الخ (صحیح مسلم:۲۴۹۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر مومن جو میرے بارے میں سن لیتا ہے تو بغیر دیکھے ہی مجھ سے محبت کرتا ہے۔ (ایضاً ملخصاً)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جن صحابہ سے حدیث پوچھتے تھے اُن میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

(دیکھئے صحیح بخاری:۵۹۴۶)

سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو (حجۃ الوداع میں) منادی کرنے والا مقرر کر کے بھیجا تھا۔ (صحیح بخاری:۳۶۹)

ایک دفعہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی تو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: '' **صدق أبو هريرة** '' ابو ہریرہ نے سچ کہا ہے۔ (طبقات ابن سعد ۴/۳۳۲ وسندہ صحیح)

حافظ ذہبی نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: '' **الإمام الفقيه المجتهد الحافظ صاحب رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم ... '' (سیر اعلام النبلاء ج۲ ص۵۷۸)

ایسے جلیل القدر فقیہ مجتہد صحابی کو ''غبی، کم سمجھ، نادان اور اچھی درایت نہ رکھنے والا'' کہنے والا شخص بہت بڑا شیطان اور دجال ہے۔

اے اللہ! ہمارے دلوں کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت سے بھر دے اور اس میں مزید اضافہ فرما۔ آمین

فائدہ: نبوت کا دعویٰ کرنے والے تیس کذابوں والی حدیث سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کے علاوہ درج ذیل صحابہ سے بھی ثابت ہے:

(۱) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری:۳۶۰۹)

(۲) سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ (صحیح ابن خزیمہ:۱۳۹۷، صحیح ابن حبان، الاحسان:۲۸۴۵، دوسرا نسخہ: ۲۸۵۶ وصححہ الحاکم علی شرط الشیخین ۳۳۰/۱ ح ۱۲۳۰، ووافقه الذهبي وسنده حسن، ثعلبه بن عباد ليس بمجهول بل و ثقه ابن خزيمة والترمذي وابن حبان وغيرهم و أخطأ من ضعفه)

۱۵) جالندھری نے لکھا ہے:

''ترمذی کے دوسرے طریقہ میں عبدالرزاق بن ہمام اور معمر بن راشد دو راوی ضعیف ہیں۔ عبدالرزاق بن ہمام تو شیعہ تھا۔ **قال النسائی فیه نظرٌ، قال العباس العنبری .. انه لکذابٌ والواقدی اصدق منه . کان عبدالرزاق کذاباً یسرق الحدیث** ''
(تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۲۷۸ زیر نام عبدالرزاق بن ہمام عبدالتواب اکیڈمی ملتان) کہ نسائی کے نزدیک وہ قابل اعتبار نہیں اور عباس عنبری کہتے ہیں کہ وہ کذّاب تھا اور واقدی سے بھی زیادہ جھوٹا تھا۔ یہ شخص کذّاب تھا اور حدیث چوری کیا کرتا تھا۔''

(القول المبین ص ۶۷۔۶۸)

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی الیمنی رحمہ اللہ کو امام یحییٰ بن معین، عجلی، یعقوب بن شیبہ، ابن حبان، ابن شاہین، دارقطنی، بیہقی اور جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا۔
دیکھئے میری کتاب: تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات (ج ۱ ص ۴۰۴۔۴۰۸)

جمہور کے مقابلے میں عباس بن عبدالعظیم سے کذاب والی جو جرح مروی ہے (الضعفاء للعقیلی ۱۰۹/۳، الکامل لابن عدی ۱۹۴۸/۵، دوسرا نسخہ ۵۳۸/۶) اسے حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب (ج ۶ ص ۲۸۱) میں بغیر کسی سند کے نقل کیا ہے، عقیلی اور ابن عدی والی سند میں محمد بن احمد بن حماد الدولابی بذاتِ خود قولِ راجح میں ضعیف راوی ہے (**و أخطأ من زعم خلافه**) لہٰذا یہ جرح عباس مذکور سے ثابت ہی نہیں ہے۔

حدیث چوری کرنے والی جرح کا راوی ابوعبداللہ البلخی حسین بن محمد بن خسرو بذاتِ خود ضعیف تھا لہٰذا یہ جرح بھی غیر ثابت و مردود ہے۔

امام نسائی نے فرمایا: ''فیه نظر لمن کتب عنه بآخرةٍ''

جس نے اُن سے آخر دور میں لکھا ہے اُس میں نظر ہے۔ (کتاب الضعفاء: ۳۷۹)

یعنی اس جرح کا تعلق اختلاط سے ہے اور ترمذی والی روایت میں اختلاط کا نام ونشان نہیں، اسے عبدالرزاق سے محمود بن غیلان نے روایت کیا ہے۔

(سنن الترمذی: ۲۲۱۸ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح)

محمود بن غیلان کی عبدالرزاق بن ہمام سے روایت اختلاط سے پہلے کی ہے، جس کی دلیل یہ ہے:

بخاری اور مسلم نے محمود سے عبدالرزاق کی روایات صحیحین میں بیان کیں اور کسی محدث نے محمود عن عبدالرزاق کی روایات پر جرح نہیں کی۔

تیس دجالوں والی روایت امام عبدالرزاق سے امام احمد بن حنبل نے بھی بیان کی۔

(دیکھئے مسند احمد ۲/ ۳۱۳ ح ۸۱۳۷)

اور محدث اَبناسی نے فرمایا کہ ''و ممن سمع منه قبل الإختلاط أحمد و إسحاق ابن راهویه و علي بن المدیني و یحیی بن معین و وکیع بن الجراح في آخرین.. ''اُن کے اختلاط سے پہلے احمد (بن حنبل) اسحاق بن راہویہ، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین، وکیع بن الجراح اور دوسرے لوگوں نے سنا ہے۔ الخ

(الکواکب النیرات فی معرفۃ من اختلط من الرواۃ الثقات لابن الکیال ص ۵۳)

لہٰذا یہاں اختلاط کا الزام سرے سے باطل ہے۔

تنبیہ: عبدالرزاق کی بیان کردہ روایت اُن کی پیدائش سے بہت عرصہ پہلے لکھے جانے والے الصحیفۃ الصحیحہ للامام ہمام بن منبہ (ح ۲۴) میں بھی موجود ہے۔ والحمد للہ

جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی پر شیعہ وغیرہ کے الفاظ والی جرح بھی مردود ہوتی

ہے۔ دیکھئے میری کتاب: علمی مقالات (ج ا ص ۴۰۹۔۴۱۱)

۱۶) امام معمر بن راشد الازدی البصری الیمنی رحمہ اللہ کو قادیانی کا ضعیف کہنا بھی باطل ہے۔ معمر بن راشد کو امام یحییٰ بن معین، عجلی، یعقوب بن شیبہ، نسائی، ابن حبان اور جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا۔

دیکھئے حافظ مزی کی کتاب: تہذیب الکمال (ج ۷ ص ۱۸۱۔۱۸۳)

بخاری اور مسلم نے صحیحین کے اصول میں اُن سے حدیثیں بیان کیں لہٰذا ایسے راوی پر بعض کی جرح مردود ہوتی ہے۔

۱۷) جالندھری قادیانی نے کہا:

''ان کے علاوہ سلیمان بن حرب اور محمد بن عیسیٰ بھی ضعیف ہیں۔ سلیمان بن حرب کے متعلق خود ابو داؤد کہتے ہیں کہ یہ راوی ایک حدیث کو پہلے ایک طرح بیان کرتا تھا لیکن جب کبھی دوسری دفعہ اسی حدیث کو بیان کرتا تھا تو پہلی سے مختلف ہوتی تھی اور خطیب کہتے ہیں کہ یہ شخص روایت کے الفاظ میں تبدیلی کر دیا کرتا تھا۔'' (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۵۷۔ زیر نام سلیمان بن حرب عبدالتواب اکیڈمی ملتان)'' (القول المبین ص ۶۸)

عرض ہے کہ صحیحین کے بنیادی راوی امام سلیمان بن حرب البصری رحمہ اللہ کو یعقوب بن شیبہ، نسائی، ابن سعد، ابن حبان اور جمہور محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔

دیکھئے تہذیب التہذیب (ج ۴ ص ۱۵۸)

اس توثیق کو چھپا کر قادیانی نے کتمانِ حق کیا ہے۔

امام سلیمان بن حرب پر امام ابو داود کی طرف منسوب جرح ابو عبید الآجری کی وجہ سے ثابت نہیں، وجہ یہ ہے کہ یہ آجری بذاتِ خود مجہول تھا۔

خطیب بغدادی کا روایت بالمعنیٰ والی جرح کرنا دو وجہ سے مردود ہے:

اول: یہ جمہور کی توثیق کے خلاف ہے۔

دوم: روایت بالمعنیٰ جرم نہیں بلکہ جائز ہے، بشرطیکہ راوی ثقہ وصدوق ہو اور اس کی روایت

میں کوئی علتِ قادحہ یا شذوذ ثابت نہ ہو۔ یاد رہے کہ اس روایت میں امام سلیمان بن حرب رحمہ اللہ منفرد نہیں بلکہ دوسرے ثقہ راویوں نے بھی یہی روایت بیان کی ہے۔ دیکھئے فقرہ: ۱۸

تنبیہ: محمد بن عیسیٰ بن نجیح رحمہ اللہ کو ابو حاتم الرازی اور ابن حبان وغیرہم نے ثقہ قرار دیا ہے اور میرے علم کے مطابق کسی نے بھی اُن پر جرح نہیں کی لہٰذا اُنھیں ضعیف کہنا باطل اور مردود ہے۔

۱۸) قادیانی نے کہا: ''محمد بن عیسی کے متعلق خود ابوداؤد کہتے ہیں'' **ربما یدلس** ''
(تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۴۸ زیر نام محمد بن عیسیٰ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)
کہ کبھی کبھی تدلیس کرلیا کرتا تھا۔'' (القول المبین ص ۶۸)

عرض ہے کہ روایتِ مذکورہ میں ابوجعفر محمد بن عیسیٰ بن نجیح البغدادی ابن الطباع نے ''**حدثنا**'' کہہ کر سماع کی تصریح کردی ہے لہٰذا یہاں تدلیس کا اعتراض کرنا خیانت ہے۔

دوسرے یہ کہ یہی روایت امام حماد بن زید سے محمد بن عیسیٰ کے علاوہ درج ذیل راویوں نے بھی بیان کی ہے:

(۱) سلیمان بن حرب (سنن ابی داود: ۴۲۵۲)

(۲) قتیبہ بن سعید (سنن ترمذی: ۲۲۱۹)

(۳) حجاج بن منہال الانماطی (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۵۲۷) وغیرہم۔

۱۹) اللہ دتا قادیانی جالندھری نے لکھا ہے: ''ابوداؤد کے دوسرے طریقہ میں عبدالعزیز بن محمد اور العلاء بن عبدالرحمٰن ضعیف ہیں۔ عبدالعزیز بن محمد کو امام احمد بن حنبل نے خطا کار۔ ابوزرعہ نے ''**سئی الحفظ**'' اور نسائی نے کہا ہے کہ ''**لیس بالقوی**'' (قوی نہیں) ابن سعد کے نزدیک ''**کثیر الغلط**'' تھا (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۳۱۵ زیر نام عبدالعزیز بن محمد عبدالتواب اکیڈمی ملتان)'' (القول المبین ص ۶۸)

عرض ہے کہ امام عبدالعزیز بن محمد الدراوردی رحمہ اللہ کو امام یحییٰ بن معین، عجلی، امام مالک اور جمہور محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔ دیکھئے تہذیب التہذیب (ج ۶ ص ۳۱۵۔ ۳۱۶، دوسرا

نسخہ ج ۶ ص ۳۵۴۔۳۵۵) اور ہمارا رسالہ ماہنامہ الحدیث حضرو (۶۹ ص ۳۷۔۴۴)

لہٰذا اُن پر بعض علماء کی جرح مرجوح اور غلط ہے۔

دوسرا یہ کہ امام احمد اور امام نسائی دونوں سے عبدالعزیز کی توثیق بھی مروی ہے اور ابن سعد نے انھیں ثقہ بھی لکھا ہے لہٰذا جمہور علماء کی توثیق کے مقابلے میں یہ تین اقوال پیش نہیں کئے جا سکتے۔ تیسرا یہ کہ سنن ابی داود (۴۳۳۳) والی یہی حدیث درج ذیل اماموں نے بھی العلاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب رحمہ اللہ سے بیان کی ہے:

(۱) شعبہ بن الحجاج (مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۷ ح ۹۸۹۷)

(۲) اسماعیل بن جعفر بن ابی کثیر (مسند ابی یعلیٰ الموصلی ج ۱۱ ص ۳۹۴ ح ۶۵۱۱)

۲۰) العلاء بن عبدالرحمٰن کے بارے میں قادیانی معترض نے لکھا ہے:

''اسی طرح ابوداؤد والی روایت کا دوسرا راوی العلاء بن عبدالرحمٰن بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کے متعلق ابن معین کہتے ہیں ''**ھٰؤ لاء الاربعة لیس حدیثھم حجةً (۱) سھل بن ابی صالح (۲) العلاء بن عبدالرحمن (۳) عاصم بن عبید اللہ (۴) ابن عقیل** (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۱۳۔۱۵) ان چاروں کی حدیث حجت نہیں ہے۔ پس جہاں تک راویوں کا تعلق ہے یہ روایت قابل استناد نہیں۔'' (القول المبین ص ۶۸۔۶۹)

عرض ہے کہ علاء بن عبدالرحمٰن کے حالات تہذیب التہذیب کی آٹھویں جلد میں ہیں۔ انھیں امام احمد بن حنبل، ابن حبان، ابن سعد، ترمذی اور جمہور محدثین نے ثقہ قرار دیا۔

(دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۶۶۔۱۶۷)

لہٰذا اُن پر جرح مردود ہے۔

امام ابن معین نے ایک قول میں علاء بن عبدالرحمٰن کو ''**لیس بہ بأس**'' کہا۔

(تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: ۶۲۳، اور تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۶۶)

لہٰذا اُن کا علاء کو ضعیف کہنا مطلقاً نہیں بلکہ سعید المقبری کے مقابلے میں ہے۔

دیکھئے تہذیب التہذیب (ج ۸ ص ۱۶۷)

اور اگر کوئی شخص اسے مطلق سمجھتا ہے تو یہ قول جمہور کے خلاف ہونے اور بذاتِ خود توثیق سے معارض ومتناقض ہونے کی وجہ سے مرجوح وغلط ہے۔

فائدہ: امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "**إذا قلت :لیس به بأس فهو ثقة**" جب میں لیس به بأس کہوں تو وہ (راوی) ثقہ ہوتا ہے۔

(التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ ص ۵۹۲ فقرہ: ۱۴۲۳، الکفایہ للخطیب البغدادی ص ۲۲ وسندہ صحیح)

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما کی صحیح احادیث پر جرح کرتے ہوئے اللہ دتا قادیانی جالندھری نے کتنی خیانتیں کی ہیں اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے، حالانکہ یہ احادیث بلا شک وشبہ صحیح اور حجت ہیں۔ والحمدللہ

رہ گیا مسئلہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ کے بارے میں قادیانیوں کی باطنی تحریفاتِ معنویہ تو یہ سلف صالحین کے متفقہ فہم کے مقابلے میں سرے سے مردود اور باطل ہیں۔

خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وأنا آخر الأنبياء)) اور میں آخری نبی ہوں۔ (السنہ لابن ابی عاصم: ۳۹۱ وسندہ صحیح)

اور اسی پر اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے۔

عیسیٰ بن مریم علیہ السلام جو ہمارے نبی ﷺ سے پہلے نبی تھے، قیامت سے پہلے آسمان سے نازل ہوں گے۔

آسمان سے نزول کے حوالے کے لئے دیکھئے کشف الاستار عن زوائد البزار (۱۴۲/۴۔ ۱۴۳ ح ۳۳۹۶ وسندہ صحیح) اور میری کتاب: علمی مقالات (ج ۱ ص ۱۱۱۔۱۱۲)

قیامت سے پہلے تیس (۳۰) دجال آئیں گے، جن کی متعین وموسوم بالاسماء تعداد کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور مسلمانوں کے اجماع سے یہ ثابت ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی بھی ان تیس دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔ **و ما علینا إلا البلاغ**

(۴/ مارچ ۲۰۱۰ء)

[ختم شُد]

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کے چند اُصول اور تکفیرِ اصحابِ رسول (قسط:۱)

[مسعود احمد بی ایس سی کراچوی نے ایک اُصول بنایا کہ جماعت المسلمین رجسٹرڈ کے امیر کی بیعت شرطِ ایمان ہے اور جو شخص یہ بیعت نہ کرے وہ مسلم نہیں ہے۔ اس باطل اصول سے صحابۂ کرام اور اُمتِ مسلمہ کے ایک بڑے حصے کی تکفیر لازم آتی ہے، لہٰذا محترم محمد صدیق رضا حفظہ اللہ نے اس مضمون میں جماعت المسلمین رجسٹرڈ کے لٹریچر کی روشنی میں اس باطل اُصول کا زبردست رد کیا ہے۔

ہمارے پاس مذکورہ لٹریچر کی بعض کتب و کتابچوں کے نہ ہونے کی وجہ سے تمام حوالوں اور جملہ عبارات کی ذمہ داری صاحبِ مضمون پر ہی ہے۔/ حافظ ندیم ظہیر]

فرقہ مسعودیہ نام نہاد جماعت المسلمین کے لٹریچر سے واقفیت رکھنے والے اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ یہ درحقیقت ایک تکفیری گروہ ہے، اگرچہ بظاہر مسعود صاحب نے ''اہلِ حق'' کی عملی تربیت واصلاح کے لئے اس پارٹی کی بنیاد رکھی، لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد اپنے عجیب وغریب نظریات اور تکفیری رجحانات کی وجہ سے اپنی خودساختہ جماعت (جماعت المسلمین رجسٹرڈ) کو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی جماعت اور اس میں شمولیت کو فرض وواجب قرار دے دیا۔ اس سلسلے میں اس قدر تعصب وغلو کا شکار ہوئے کہ یہ بات ان کے نزدیک مسلم یا غیر مسلم ہونے کا معیار اور کسوٹی بن گئی۔ اُن کے نزدیک یہ اعتقادیات وایمانیات کا مسئلہ اور شرائطِ ایمان کا جز بن گیا۔

بانیٔ فرقہ نے اپنے فرقے کی ترقی وفروغ کے لئے قرآن وسنت کی بعض نصوص کو سلف صالحین کے منہج کے مطابق سمجھنے کے بجائے اپنے من مانے جدید ترین مفہوم میں پیش

کرنے سے بھی گریز نہ کیا، ایسی ایسی شرائط عائد کیں اور ایسے ایسے اصول وضع کیے کہ اہلِ اسلام کا کوئی فرد خواہ ایمان وتقویٰ کے کتنے ہی بلند درجہ پر فائز ہو لیکن جب تک ان کی بنائی ہوئی پارٹی میں شامل نہ ہو وہ ادنیٰ ترین مسلم و مومن کا درجہ بھی حاصل نہ کر پائے، بطورِ ثبوت ان کی چند تحریریں ملاحظہ کیجیے:

۱: مسعود صاحب ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"...اگر وہ مسلم ہے اور اس دین کو مانتا ہے جو آسمان سے نازل ہوا ہے تو اسی دین میں یہ موجود ہے کہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا کہ اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑو اور فرقے فرقے نہ بنو آخر وہ اس آیت پر عمل کیوں نہیں کرتا اگر وہ نہیں کرتا تو بظاہر وہ اس آیت کا منکر ہے اسی لئے وہ اس حکم پر عمل نہیں کرتا اور وہ اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کرتا تلزم جماعۃ المسلمین یعنی جماعت المسلمین کو لازم پکڑو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نہ قرآن مجید پر عمل کرتا ہے اور نہ حدیث پر عمل کرتا ہے تو پھر کس کام کا مسلم ہے؟ اس کا محض فرقوں سے بیزار ہونا اس کے مسلم ہونے کی دلیل نہیں۔"

(جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۴۲)

اسی طرح ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: "غلط فہمی نمبر ۴ جو شخص تمام فرقوں سے علیحدہ ہو کر صرف قرآن و حدیث پر عمل کرے وہ مشرک نہیں۔ میں اسے مسلم سمجھتا ہوں۔

ازالہ | ایسا شخص نہ قرآن مجید پر عمل کرتا ہے اور نہ حدیث پر۔ قرآن مجید میں ہے: واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا و لا تَفرقُوا۔ اس کا عمل اس آیت پر نہیں۔ حدیث میں ہے تلزم جماعة المسلمین۔ اس کا عمل اس حدیث پر نہیں تو پھر یہ کہنا کہ وہ قرآن و حدیث پر عمل کرتا ہے صحیح نہیں۔"

(وقار علی صاحب کا خروج ص ۸ طبع جدید ص ۵۔۶، اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۶، جماعت المسلمین کی دعوات اور تحریک اسلام کی آئینہ دار ہیں ص ۵۳۱۔۵۳۲)

تعصب و غلو کی انتہا ملاحظہ کیجیے کہ فرقوں سے علیحدہ ہو کر صرف قرآن و حدیث پر عمل پیرا شخص کو "مسلم" سمجھنا مسعود صاحب اور ان کے قائم کردہ فرقے کے نزدیک "غلط فہمی" ہے چونکہ ان کے ہاں تو قرآن و حدیث پر عمل کی یہی ایک صورت ہے کہ ان کی ایجاد کردہ

رجسٹرڈ جماعت میں شامل ہو جایئے! پھر مسعود صاحب کا طرزِ استدلال بھی انتہائی عجیب ہے کہ ایک آیت وحدیث پیش کر کے کہہ دیا کہ اس پر عمل نہیں۔ ہر ہر آیت محکمہ وحدیث پر تو ان کی پارٹی کے تمام افراد بھی عمل پیرا نہیں پھر بھی انہیں مسلم سمجھتے رہنا ان کی ایک ''غلط فہمی'' نہیں تو اور کیا ہے؟ ان کے اس طرزِ استدلال کے مطابق تو شاید ہی کوئی فرد ''مسلم'' ثابت ہو سکے جب کوئی مسلم ہی نہیں ہوگا تو ''جماعت المسلمین'' کا وجود ثابت کرنا ایک مضحکہ خیز عمل ٹھہرے گا۔

ایک اور مقام پر مسعود صاحب لکھتے ہیں:

''اعتراض | دعوت میں مخالفین کو یہ کہنا کہ ہم تو قرآن وحدیث ہی پیش کرتے ہیں لوگ اپنی طرف لیں تو ہمارا کیا قصور حالانکہ جماعت میں آنے کے بعد مجھے واضح طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ آپ ان کو قرآن وحدیث نہیں سناتے بلکہ غیر مسلم ہی سمجھتے ہیں۔''

جواب | ''اگر سمجھیں تو کوئی بعید از دلیل بھی نہیں۔'' (اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۳۵)

لیجیے واضح طور پر اعلان کر دیا کہ اپنے مخالفین کو ''غیر مسلم'' سمجھنا بعید از دلیل نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دلیل سے ایسا ثابت ہے، اب معلوم نہیں کہ وہ دلیل کونسی ہے جس سے فرقہ مسعودیہ کے جمیع مخالفین ''غیر مسلم'' ثابت ہوتے ہیں؟

ان کے امام ثانی محمد اشتیاق صاحب لکھتے ہیں:

''اگر آپ یہ کہیں کہ یہ فرقہ پرست مسلم ہیں یہ بھی جماعت المسلمین ہیں تو آپ کا یہ استدلال احادیث کے خلاف ہوگا۔'' (ایک معترض کی غلط فہمیاں ص ۹)

رجسٹرڈ جماعت کے اس طرح کے غالیانہ، متعصّبانہ اور متشددانہ اقاویل وفتاویٰ جات کا ایک طویل سلسلہ ہے کہاں تک ان کا تذکرہ کیا جائے۔؟!

فی الوقت ان کے چند ایسے اصول کا تذکرہ مقصود ہے کہ جو انہوں نے اپنے مخالفین کے لئے وضع کیے جن سے موجودہ پوری کی پوری اُمتِ مسلمہ کے اسلام وایمان کی نفی اور ان کا ''کافر'' ہونا تو لازم آتا ہے۔ ساتھ ساتھ گزشتہ امتِ مسلمہ بالخصوص بہت سے اصحابِ

رسول ﷺ کے ایمان واسلام کی نفی اوران کا بھی ''کافر'' ہونالازم آتا ہے۔(نعوذ باللہ)

واضح رہے کہ یہ محض مخالفت برائے مخالفت کا شاخسانہ اور پروپیگنڈا نہیں بلکہ ایک بیّن اورٹھوس حقیقت ہے،جس کا مکمل ثبوت اور تفصیل خودانہی کے لٹریچراورتحریروں سے ملاحظہ کرلیجیے،ان کا ایک اصول یہ ہے:

۱: امیر کی نافرمانی اسلام کو چھوڑ دینا ہے۔

اس سلسلے میں مسعود صاحب کی تحریروں کے چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے،لکھتے ہیں:

1 ''جماعت المسلمین ہی وہ واحد جماعت ہے جو امیر کو وہ حیثیت دیتی ہے جو اللہ تعالٰے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔...... جماعت المسلمین امیر کی اطاعت کو فرض سمجھتی ہے۔ امیر کی نافرمانی گویا جماعت کو چھوڑنا ہے اور جماعت کو چھوڑنا جاہلیت کی موت کو دعوت دینا ہے یعنی اسلام کو چھوڑنا ہے۔کوئی جماعت یا فرقہ ایسا نہیں جو امیر کی اطاعت کو ایسی اہمیت دیتا ہو''

(جماعت المسلمین کا تعارف ص۶ تا۸، جماعت المسلمین کی دعوات ص۲۱۔۲۲)

2 ''جماعت کو چھوڑنے والے نے پوری طرح نہیں صرف ایک بالشت جماعت کو چھوڑ دیا تو گویا اس نے اسلام کو چھوڑ دیا۔ بتایئے اسلام کو چھوڑنے والا کیا ہوتا ہے؟ ایک بالشت چھوڑنے کا تو یہ حشر ہے اور جو پوری طرح جماعت کو چھوڑ دے وہ کیا ہوگا؟'' (اعتراضات اوران کے جوابات ص۶۔۷)

3 نیز لکھتے ہیں: ''معلوم ہوا کہ لزومِ جماعت کے سلسلہ میں اس قدر پابندی کہ امیر کی کسی مکروہ سے مکروہ بات پر بھی صبر کی تلقین کی گئی ہے جماعت کو کسی حالت میں بھی چھوڑنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے اور علیٰحدگی جاہلیت کی موت قرار دی گئی ہے۔ جاہلیت کی موت سے مراد زمانہ جاہلیت کی موت ہے جو حالت کفر کی موت ہے'' (اعتراضات اوران کے جوابات ص۱۵)

4 ان کے امام ثانی محمد اشتیاق صاحب لکھتے ہیں:

''مطلب یہ ہوا کہ بیعت توڑنا، ایک بالشت جماعت چھوڑنا، ایک بالشت امیر کی اطاعت نہ کرنا اور امیر جماعت کا کسی پر نہ ہونا سزا کے لحاظ سے ایک ہی ہیں یعنی وہ اسلام سے خارج ہے۔''

(بے حکومت امیر کی بیعت کرنا ص۴۶)

5 مزید لکھتے ہیں: ''جو شخص امیر کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے تو اس کی موت کفر کی موت ہے''

(تحقیق مزید میں تحقیق کا فقدان ص۴۱)

ان اقتباسات سے واضح طور پر ان کا یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ ''امیر سے بالشت برابر بھی دور ہونا اسلام کو چھوڑ دینا ہے'' ایسا شخص ''اسلام سے خارج'' ہوجاتا ہے اور ''کفر کی موت مرتا'' ہے۔اس کے بعد ان کا ایک اور اصول ملاحظہ کیجیے:

۲: امیر کی بیعت شرطِ ایمان ہے۔

بانئ فرقہ مسعود احمد صاحب اور ان کی بنائی ہوئی رجسٹرڈ جماعت کے لوگ امیر کی بیعت کو شرطِ ایمان سمجھتے ہیں۔اس کے بغیر کوئی بھی فرد ''مسلم'' نہیں ہوسکتا۔

اس سلسلہ میں ان کے مختلف کتابچوں سے چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے:

① مسعود صاحب لکھتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة (صحیح مسلم) اس حدیث کی رو سے بیعت شرائط ایمان میں سے ہے ورنہ جاہلیت کی موت مرے گا یعنی کفر کی موت مرے گا۔کفر کی موت سے بچنے کے لئے بیعت شرط ہے۔''

(وقار علی صاحب کا خروج ص ۷، ۸ طبع جدید ص ۵، جماعت المسلمین کی دعوات ص ۵۳۱)

② نیز لکھتے ہیں: ''جاہلیت کی موت سے مراد ایام جاہلیت کی موت ہے یعنی کفر کے زمانے کی موت......فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه (ترمذی وسندہ صحیح) اس حدیث نے تشریح کردی کہ جاہلیت کی موت سے مراد اسلام پر مرنا نہیں ہے بلکہ اسلام چھوڑ کر مرنا ہے۔''

(اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۲۲)

اشتیاق صاحب کی گھڑی ہوئی ایک حدیث:

③ اشتیاق صاحب نے اس سلسلہ میں ایک حدیث وضع کرتے ہوئے لکھا:

''محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر کی بیعت نہ کرنے والوں کو اسلام سے خارج قرار دیا۔''

(بے حکومت امیر کی بیعت ص ۴۶)

اشتیاق صاحب نے اپنی گھڑی ہوئی اس حدیث کا کوئی حوالہ نہ دیا اور نہ دے سکتے

ہیں، ان شاء اللہ۔ ''اسلام سے خارج'' سمجھنا تو بانئ فرقہ کا فہم ہے لیکن اشتیاق صاحب نے اسے ''حدیثِ رسول'' صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بنا ڈالا۔ إنا لله و إنا إليه راجعون

اگر صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ نے بیعت نہ کی تو؟

مسعود صاحب اوران کے موجودہ امیر صاحب کی تحریروں سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان کے ہاں ''امیر کی بیعت'' شرطِ ایمان ہے، جس کسی نے بیعت نہ کی وہ اسلام کو چھوڑ کر کفر کی موت مرے گا اور اشتیاق صاحب کی ایجاد کردہ حدیث کے مطابق وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ ان کے ہاں ان کا یہ قانون واصول بالکل یقینی اوراٹل ہے، کسی کے لئے کوئی استثناء نہیں حتی کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ کی مقدس جماعت ہی میں سے کیوں نہ ہو۔!

ان کے لئے بھی یہی قانون ہے مسعود صاحب نے بڑی دیدہ دلیری سے اس بات کا صاف صاف اظہار کرتے ہوئے لکھا: ''ہم کہتے ہیں حضرت سعدؓ کی ذات بیعت نہ کرنے کے الزام سے پاک ہے لہٰذا وہ جاہلیت کی موت سے مبرا ہیں۔ صلاح الدین صاحب کہتے ہیں الزام تو صحیح ہے لیکن وہ جاہلیت کی موت سے پھر بھی مبرّا ہیں۔ معلوم نہیں کیوں؟'' (الجماعۃ ص ۵٦)

② اسی طرح لکھتے ہیں: ''کیا حضرت ابوبکرؓ الجماعۃ کے امیر نہیں تھے۔ اگر تھے اور یقیناً تھے تو پھر ان کی بیعت نہ کرنے کی وجہ سے حضرت عبادہ بن صامتؓ جاہلیت کی موت کیوں نہ مرے؟ کیا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا قانون بدل جائے گا؟'' (الجماعۃ ص ۲۰۔۲۱)

③ مزید لکھتے ہیں: ''بالفرض محال اگر حضرت عبادہ بن صامتؓ نے بیعت نہیں کی تو کیا جاہلیت کی موت مرنے کا قانون بدل جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ قانون قانون ہی رہے گا۔ بیعت نہ کرنے کے فعل کو صحابی کی غلطی تصور کیا جائے گا۔'' (الجماعۃ ص ۲۱)

مسعود صاحب کی ان تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا یہ قانون بالکل اٹل ہے، معاملہ خواہ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ کا ہو۔ ان کا قانون قانون ہی رہے گا، مندرجہ بالا تفصیل کی روشنی میں ان کے چند اصول واضح ہو جاتے ہیں جو کچھ اس طرح سے ہیں:

۱: جو شخص بھی جماعت سے بالشت برابر بھی علیحدہ ہو وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

۲: جو شخص بھی امیر کی بیعت نہ کرے وہ اسلام سے خارج اور کفر کی حالت میں کفر کی موت مرے گا۔

۳: جس شخص پر بھی ''امیر جماعت'' نہ ہو وہ اسلام سے خارج ہے۔

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا جماعت سے دور ہونا اور بیعت نہ کرنا:

ان کے ان اصولوں پر موجودہ دور کے تمام اہلِ اسلام خواہ ان میں اعتقادی و عملی گمراہی کا وجود نہ بھی ہو، ان اصولوں کے سبب دائرہ اسلام سے خارج اور کافر ٹھہرتے ہیں۔ اسی طرح گزشتہ کئی صدیوں کے اہل اسلام بھی، حتی کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی۔ (نعوذ باللہ)

اب خود مسعود صاحب ہی کی تحریروں سے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جماعت سے دور رہنا اور امیر کی بیعت نہ کرنا ملاحظہ کیجیے اس کے بعد ان شاء اللہ ان کے اس موقف کا بطلان بھی واضح کر دیا جائے گا۔

۱: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر:

رجسٹرڈ جماعت کے اصولوں کے مطابق سیدنا علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تقریباً چھ مہینوں تک اسلام سے خارج رہے۔ چونکہ مسعود صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت فاطمہؓ کی وفات اور حضرت علیؓ کا بیعت نہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ مہینے بعد حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوگیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع نہ دی اور خود ہی نمازِ جنازہ پڑھا کر رات کے وقت انہیں دفن کر دیا۔

حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں حضرت علیؓ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ جب ان کا انتقال ہوگیا تو حضرت علیؓ نے لوگوں کے چہروں میں خفگی کے آثار دیکھے کیونکہ انہوں نے ابھی تک بیعت نہیں کی تھی (حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں ان کی تیمارداری کی وجہ سے لوگوں نے ان کو معذور سمجھا تھا لیکن اب یہ بات لوگوں کو ناگوار تھی)......

حضرت ابوبکرؓ کی اس وضاحت کے بعد حضرت علیؓ نے فرمایا ''میں (آج) زوال کے بعد (تمام لوگوں کی موجودگی میں) بیعت کرلوں گا۔'' حضرت ابوبکرؓ نے ظہر کی نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر آپ منبر پر

تشریف لے گئے۔تشہد پڑھا۔ پھر حضرت علیؓ کی کیفیت، بیعت کرنے میں تاخیر اوران کی معذرت بیان کی۔ پھر حضرت علیؓ نے (تقریر کی) تشہد پڑھا، مغفرت کی دعاء کی اور حضرت ابوبکرؓ کی عظمت بیان کی، پھر فرمایا ''بیعت کرنے میں اس وجہ سے دیر نہیں ہوئی کہ ہمیں ابوبکرؓ سے اس معاملہ میں کسی قسم کا حسد تھا......'' حضرت علیؓ کی اس تقریر (اور بیعت) کے بعد تمام مسلمین ان سے خوش ہوگئے۔سب نے کہا ''تم صحیح بات کو پہنچ گئے۔'' الغرض اس نیک کام کی طرف رجوع کرنے کے بعد تمام مسلمین ان سے (حسبِ سابق) محبت کرنے لگے۔

مندرجہ بالا واقعہ پر تبصرہ اس واقعہ سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں:۔

(۱) حضرت علیؓ نے ملال کی وجہ سے بیعت میں دیر کی۔

......

(۵) حضرت ابوبکرؓ اور تمام صحابۂ کرامؓ قرابتِ رسولؐ کا کتنا احترام کرتے تھے کہ حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں حضرت علیؓ سے خفا نہیں ہوئے بلکہ ان کی قدر ومنزلت کرتے رہے۔

......

(۱۱) حضرت علیؓ نے اپنی غلطی تسلیم کر لی اور اپنی تقریر میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی۔''

(صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین ص۶۸۳۔۶۸۴)

تنبیہ: مسعود صاحب نے یہ واقعہ صحیح بخاری کتاب المغازی، باب غزوہ خیبر اور صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب قول النبی ﷺ لا نورث عن عائشۃ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا۔ گویا یہ متفق علیہ روایت ہے۔ صحیحین کی اس مستند و متفق علیہ روایت اور مسعود صاحب ورجسٹرڈ جماعت کے ہاں صحیح ترین تاریخ ان کی اپنی کتاب ''صحیح تاریخ الاسلام'' کے بیان کے مطابق سیدنا علی نے چھ مہینوں تک بیعت سے تخلّف فرمایا، بیعت نہیں کی بقول مسعود صاحب ملال کی وجہ سے بیعت میں دیر کی......

اس طرح رجسٹرڈ جماعت کے اصول کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ چھ مہینوں تک اسلام سے خارج رہے۔ (نعوذ باللہ) اور پھر بیعت کی تو اسلام میں داخل ہوئے، شرائطِ ایمان کی تکمیل

کے لئے نہیں بلکہ مسعود صاحب کے بقول (تاکہ لوگوں کی ''ناراضگی'' کا سبب ختم ہو جائے)

(نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات)

اس دوران میں لوگ ان سے ناراض و نالاں رہے۔ لیکن کسی نے بھی انھیں یہ نہیں کہا کہ جی! آپ شرائطِ ایمان کی تکمیل کیوں نہیں کرتے؟ اسلام سے خارج کیوں ہیں؟ پھر مسعود صاحب نے بریکٹ میں اتنے عرصے تک بیعت نہ کرنے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے انہیں معذور سمجھے جانے کی جو تاویل و توجیہ بیان کی کہ ''تیمارداری کی وجہ سے معذور سمجھے گئے'' لہٰذا بیعت کو شرطِ ایمان ٹھہرانے اور اس کے بغیر کسی بھی مسلم کو خارج از اسلام گرداننے کے بعد یہ تاویل بھی لغو و لایعنی اور باطل ثابت ہوتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ محض اتنی سی بات کی وجہ سے ایک جلیل القدر صحابی کا ''اسلام سے خارج رہنا'' کو برداشت کر لیں اور امر بالمعروف کا فریضہ ادا کرتے ہوئے انہیں شرائطِ ایمان کی تکمیل اور اسلام میں داخل ہونے کی نصیحت نہ کریں۔ بھلا ''تیمارداری'' بھی کوئی ایسا مسئلہ ہے کہ شرطِ ایمان کی تکمیل اور اسلام سے خارج رہنے کے لئے عذر بن سکے؟!

ایں خیال است، محال است وجنوں

البتہ سیدنا ابوبکر و عمر سمیت جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل سے واضح ہوتا ہے کہ خلیفہ کی بیعت نہ تو شرطِ ایمان ہے اور نہ اس کے بغیر کوئی فرد اسلام سے خارج قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ محض مسعود صاحب اور رجسٹرڈ جماعت کے توہمات و خیالاتِ فاسدہ اور جدید ترین اختراعات، من گھڑت اور خود ساختہ افکار و نظریات ہیں۔ اگر معاملہ ان کی باطل سوچ کے مطابق ہی ہوتا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ کرتے۔ آخر اس میں وقت ہی کتنا لگتا تھا؟

تنبیہ: مسعود صاحب نے اپنی کتاب ''الجماعۃ'' ص ۲۴ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوری بیعت کا واقعہ نقل کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ مذکورہ بالا بیعت علی الاعلان (علانیہ) بیعت تھی۔

صحیحین کی روایات اور مسعود صاحب کا اصول:

اس بیعت کی حقیقت سے قطع نظر اس موقع پر ہمیں صرف اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت کے مقابلہ میں بیہقی وغیرہ کی روایت پیش کرنا ان کے اپنے ایک محبوب و پسندیدہ ترین اصول کے سخت خلاف ہے۔ جس کے ذریعے سے یہ اپنے خلاف صحیح حدیث کو رد کرتے رہے ہیں۔ چونکہ ان کا یہ اصول ہے کہ صحیحین کی روایت سے ٹکرانے والی روایت ''معلول'' اور ساقط الاعتبار'' ہوگی۔ ان کا یہ اصول ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے۔ ایک صحیح حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

(۱) ''اس کا متن صحیحین کی حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے معلول اور ساقط الاعتبار ہے۔''

(حدیث تلزم جماعت المسلمین وامامھم پر اعتراض اور جواب ص ۵، جماعت المسلمین کی دعوات ص ۴۷۶)

(۲) مزید لکھتے ہیں: ''صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں لفظ ''امام'' ہے اور ابوداؤد میں لفظ خلیفہ ہے تو بتائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا لفظ اپنی زبان اقدس سے ادا فرمایا تھا۔ یقیناً وہی لفظ ادا فرمایا ہوگا جس لفظ پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم متفق ہیں۔'' (الجماعۃ القدیمہ ص ۱۹)

(۳) نیز لکھتے ہیں: ''الغرض ابوداؤد کی حدیث صحیحین کی حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے معلول ہے اور مختلف المتون ہونے کی وجہ سے مضطرب ہے۔''

(جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۱۵، الجماعۃ القدیمہ ص ۱۹)

(۴) نیز لکھتے ہیں: ''عبداللہ صاحب! اس حدیث میں ''ائمۃ'' کا لفظ ہے جس کے معنٰی آپ نے ''حاکم'' کیئے ہیں۔ حالانکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس کے بجائے قَوْمٌ کا لفظ ہے۔ بتائیے کون سا لفظ صحیح ہے۔'' (الجماعۃ القدیمہ ص ۱۹)

تنبیہ: مختلف المتون اور مضطرب ہونے کا اعتراض باطل ہے اور استاذی المحترم الشیخ عبداللہ دامانوی صاحب حفظہ اللہ نے موصوف کو اپنی کتاب: الجماعۃ الجدیدۃ (طبع مع خلاصۃ الفرقۃ الجدیدہ ص ۴۲) پر ان لغو و لایعنی باتوں کا ایسا علمی و مسکت جواب مرحمت فرمایا کہ پھر تا دمِ مرگ مسعود صاحب پر سکوت طاری رہا اور اس کا جواب نہ بن پڑا۔

پھر ''ائمہ'' کا لفظ صرف سنن ابی داود ہی میں نہیں بلکہ صحیح مسلم (١٨٤٧، ترقیم دارالسلام: ٤٧٨٥) میں بھی ہے۔ تو کیا مسلم کی حدیث بھی ضعیف و معلول ٹھہرے گی؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ابوداود کی حدیث کیونکر معلول ہوگئی؟

٥: ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ''اعتراض| حضرت انسؓ کی روایت کو تمام محدثین نے بالاتفاق قبول کیا اور عمیر بن الاسود کی روایت کو امام بخاری کے سوا کسی محدث نے روایت نہیں کیا۔

جواب: یہ کوئی اعتراض نہیں ...... مزید برآں امام بخاری اکیلے ہی سب پر بھاری ہیں۔ صحیح بخاری کی احادیث پر ان کے ہمعصر محدثین نے اتفاق کیا ہے لہٰذا حدیث کو صحیح کہنے والے صرف امام بخاری نہیں ہیں بلکہ سب محدثین ہیں۔'' (اعتراضات اور ان کے جوابات ص ٢٩۔٣٠)

٦: ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ''قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا جو درجہ ہے وہ کسی پر مخفی نہیں، جس تحقیق و تفتیش اور سخت شرائط کے ساتھ ان کتابوں کو مدوّن کیا گیا وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔ لیکن افسوس کہ تاریخ کے سلسلہ میں اکثر لوگوں نے ان کتابوں سے بے اعتنائی کا ثبوت دیا۔ تاریخ کے ان واقعات کو بھی تسلیم کر لیا جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے متصادم تھے۔'' (صحیح تاریخ الاسلام مقدمہ ص ٣)

٧: اسی طرح لکھتے ہیں: ''تاریخی روایات متعدّد مقامات پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث سے ٹکراتی ہیں اور یہ چیز اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ تاریخ کی اکثر روایات ناقابلِ اعتبار ہیں۔''

(صحیح تاریخ الاسلام مقدمہ ص ٧)

صحیح البخاری و صحیح مسلم کی اہمیت و حیثیت مسلّم، معروف اور معلوم ہے لیکن مسعود صاحب کا یہ اصول ایک مشہور بات: ''کلمة حق أرید بها الباطل'' کے مصداق ہے۔ جب صحیح حدیث بظاہر قرآن مجید سے متعارض ہو تو ہم تطبیق دیتے ہیں پھر صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی حدیث سے اگر کوئی روایت ٹکراتی محسوس ہو تو تطبیق کیوں نہ دی جائے؟

المختصر یہ کہ ٹکراؤ اور تصادم اور پھر اس بنا پر صحیح حدیث کو ساقط الاعتبار قرار دینے والا یہ مسعودی اصول سراسر باطل ہے۔ بہرحال مسعود صاحب کے مذکورہ بالا ان اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک جو بھی حدیث صحیحین کے خلاف ہو تو وہ معلول یعنی ضعیف اور ساقط

الاعتبار ہوگی۔اب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بیعت نہ کرنے سے متعلق صحیحین کی روایت ملاحظہ ہو:

''فلما توفيت استنكر علي وجوه الناس فالتمس مصالحة أبي بكر ومبايعته ولم يكن يبايع تلك الأشهر......فلما صلّى أبوبكر الظهر رقى على المنبر فتشهد وذكر شأن علي وتخلفه عن البيعة وعذره بالذي اعتذر إليه''

جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے چہروں پر خفگی کے آثار دیکھے تو آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے صلح اور بیعت کی کوشش کی ان مہینوں میں سیدنا علی نے بیعت نہیں کی تھی...... جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز پڑھائی تو منبر پر تشریف لائے، تشہد پڑھا، اورسیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کیفیت اور بیعت سے پیچھے رہ جانے اوران کی معذرت کو بیان فرمایا۔ (صحیح بخاری:۴۲۴۰؛ صحیح مسلم:۱۷۵۹، دارالسلام:۴۵۸۰)

اب مسعود صاحب پر اپنے مذکورہ بالا اصول کے مطابق لازم تھا کہ وہ بیہقی وغیرہ کی روایات کو صحیحین کی صریح روایت کے مقابلہ میں رد کر دیتے، جیسا کہ وہ بعض مقام پر اپنے موقف کے خلاف واقع ہونے والی صحیح احادیث کو اپنے اس باطل وخود ساختہ اصول کی بھینٹ چڑھا چکے ہیں۔لیکن چونکہ یہاں بیہقی کی روایت ان کے حق میں جاتی ہے تو اس مقام پر ایسا نہیں کیا اور اپنے ہی تراشیدہ اصول کی مخالفت کر کے خود ہی اس کے بطلان کو طشت ازبام کر دیا، حالانکہ وہ لکھتے ہیں:''کسی اصول کو محض زبان سے تسلیم کرنا اور عملاً اس سے روگردانی کرنا حقیقت پسندی کے خلاف ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل کی گہرائیوں سے یہ اصول تسلیم نہیں''(دعوت حق ص۴، جماعت المسلمین کی دعوات ص۸۰)

مسعود صاحب کے اس طرزِعمل سے واضح ہوتا ہے مسعود صاحب اوران کی رجسٹرڈ جماعت نے بھی اپنے اصولوں کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم نہیں کیا اور نہ ان لوگوں میں حقیقت پسندی کا کوئی عنصر ہے۔

خلاصہ یہ کہ مسعود صاحب کے اصول کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تک اپنے خلیفہ، امیر، امام کی بیعت نہیں کی تو مسعود صاحب اور رجسٹرڈ جماعت کے اصول نیز اشتیاق

صاحب کی گھڑی ہوئی روایت کے مطابق وہ چھ مہینوں تک ''اسلام سے خارج'' رہے۔!

(نعوذباللّٰہ من ھذا الکفر و الضلالة)

سیدنا معاویہ اور ان کے ساتھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر:

اسی طرح ان کے زیر بحث اصولوں پر سیدنا معاویہ اور ان کے تمام ساتھی بالخصوص جنہیں شرفِ صحابیت حاصل تھا، رضی اللہ عنہم اجمعین بھی کافر ثابت ہوتے ہیں۔ (نعوذ باللہ) چونکہ انہوں نے بھی خلیفہ وقت کی بیعت نہیں کی اور ان سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ مسعود صاحب لکھتے ہیں: ''حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے (لیکن حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا دینے کے سلسلہ میں اختلاف کی صورت پیدا ہوگئی، یہ اختلاف بھی درحقیقت اُسی سازش کا کارنامہ تھا جو اسلامی حکومت کو تباہ کرنے کے لئے کی گئی تھی)

حضرت علیؓ کا خلوص اور اختلاف سے کراہت

حضرت علیؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد اپنے امراء اور قاضیوں کو ہدایت کی کہ جس طرح تم اب تک فیصلہ کرتے رہے ہو کرتے رہو کیونکہ میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں (اختلاف ختم کرنا میری سب سے اہم ذمہ داری ہے اور میں اس کوشش میں لگا رہوں گا) یہاں تک کہ تمام لوگ ایک جماعت بن جائیں یا میں (اسی کوشش وجدوجہد میں) مر جاؤں جس طرح میرے ساتھی مر گئے''

(تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۷۶۸)

اور پھر یہ تو معلوم ومشہور اور مسلّمہ بات ہے باوجود طرفین کی کوششوں کے صلح نہ ہو سکی یہاں تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب زمامِ خلافت سیدنا ومحبوبنا حسن رضی اللہ عنہ نے سنبھالی پھر صلح ہوئی۔ مسعود صاحب لکھتے ہیں: ''حضرت علیؓ کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ ہوئے۔ خلیفہ ہونے کے کچھ عرصہ بعد وہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ حضرت معاویہؓ کی طرف چلے، حضرت عمرو بن عاصؓ نے (جب اس لشکر کو دیکھا تو) حضرت معاویہؓ سے کہا ''میں ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ جب تک وہ اپنے حریفوں کو قتل نہ کرلیں پیٹھ نہ پھریں گے...... حضرت معاویہؓ نے دو قرشی آدمیوں کو جن کا تعلق قبیلۂ بنو عبد شمس سے تھا اور جن کا نام عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر تھا بلایا اور ان سے کہا تم جا کر حضرت

حسنؓ سے صلح کی بات چیت کرواور اُنہیں صلح کی دعوت دو۔......ان دونوں نے کہا ''معاویہؓ تو آپ سے صلح چاہتے ہیں اور آپ سے اسی کی درخواست کرتے ہیں......الغرض حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی اور اسی طرح حضرت حسنؓ کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوئی کہ ''اللہ اس کے ذریعہ مسلمین کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دیگا''

(تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۷۷۸۔۷۷۹)

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان نیز بقولِ مسعود صاحب: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ میں اس کوشش میں لگا رہوں گا یہاں تک کہ لوگ ایک جماعت بن جائیں، واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف تھا، اور وہ ایک جماعت کی شکل میں نہیں تھے بلکہ دو بڑی جماعتوں میں تقسیم تھے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی جنہیں شرفِ صحابیت بھی حاصل تھا جیسے سیدنا عمرو بن عاص وسیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما جن میں سے بعض جمل وصفین میں شہید بھی ہو گئے تھے، تو یہ تمام کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے امیر خلیفہ راشد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بالشت برابر نہیں بلکہ پوری طرح سے علیحدہ تھے بلکہ مُلک شام میں اپنی امارت قائم رکھی تھی، اسی طرح ان مقدس ہستیوں نے اپنے امیر کی بیعت بھی نہیں کی تو مسعود صاحب اور ان کے فرقۂ مسعودیہ کے متفقہ اصول کے مطابق اسلام کو چھوڑے ہوئے تھے اور اسلام سے خارج تھے۔ نعوذ باللہ اور جو اس دوران فوت ہوئے یا شہید ہوئے، نعوذ باللہ وہ جاہلیت یعنی کفر کی موت مرے، چونکہ مسعود صاحب کا اٹل قانون ہے اور ''قانون قانون ہی رہے گا'' (أستغفر اللہ)

سیدنا عبداللہ بن زبیر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر:

سیدنا عبداللہ بن زبیر اور ان کے ساتھی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا معاملہ بھی اسی طرح ہے چونکہ انہوں نے بھی بیعت نہیں کی تھی، مسعود صاحب لکھتے ہیں:

''**<u>حضرت عبداللہؓ کا بیعت سے انکار اور کعبہ کی تعمیر</u>**

جب حضرت یزیدؒ خلیفہ ہوئے تو حضرت ابن زبیرؓ نے بیعت نہیں کی۔ واقعہ حرّہ اسی سلسلہ کی ایک

کڑی ہے......(ان حالات میں جبکہ حکومت ایک شخص کے ہاتھ میں نہیں رہی تھی حضرت ابن زبیرؓ نے اُمت کی بہبودی کے خیال سے حکومت خود سنبھالنے کا ارادہ کرلیا، اُنہوں نے حضرت مروانؒ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور اسی بنیاد پر) اُنہوں نے حضرت عبدالملکؒ کی بیعت نہیں کی بلکہ اپنی (خلافت کا اعلان کردیا اور) بیعت لینی شروع کردی۔'' (تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۷۹۸)

اس کے علاوہ مسعود صاحب لکھتے ہیں: ''حضرت یزیدؒ کے زمانہ کا دوسرا اہم واقعہ واقعۂ حرّہ ہے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کیا، اہلِ مدینہ میں سے (بعض لوگوں نے) حضرت یزیدؒ کی بیعت توڑ دی (اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو خلیفہ بنانا چاہا) ابن حنظلہ نے (حضرت یزید کے خلاف) بیعت لینی شروع کی'' (تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۷۹۰)

اس کے علاوہ مسعود صاحب لکھتے ہیں: ''جب حرّہ کا واقعہ رونما ہوا (یعنی جب حضرت یزیدؒ کے خلاف بغاوت کا منصوبہ بنایا جارہا تھا) تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن مطیع کے پاس گئے (تاکہ اسے بغاوت سے باز رکھیں)'' (تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۹۵۰)

یہ ابن حنظلہ، سیدنا عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں'' له رؤية......استشهد عبدالله يوم الحرة '' واقعہ حرّہ میں شہید ہوئے۔ (تقریب التہذیب: ۳۲۹۶)

اور سیدنا عبداللہ بن مطیع بن الاسود بن حارثہ القرشی رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں۔

حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا: '' له رؤية و كان رأس قريش يوم الحرّة، أمره ابن الزبير على الكوفة '' یوم حرّہ کو قریش کے سربراہ تھے، ابن الزبیر (رضی اللہ عنہ) نے انہیں کوفہ کا امیر بنایا تھا۔ (تقریب التہذیب: ۳۶۳۷)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر، سیدنا عبداللہ بن حنظلہ، سیدنا عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہم اور اہلِ مدینہ اپنے امیر سے بھی علیحدگی اختیار کر چکے تھے اور اس کی بیعت بھی نہیں کی تھی اور اسی حالت میں شہید ہوئے۔ مسعود صاحب کے ان دو باطل اصولوں کی روشنی میں یہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم (نعوذ باللہ) اسلام چھوڑ کر اسلام سے خارج ہو گئے اور جاہلیت یعنی کفر کی موت مرے۔ (نعوذ باللہ)

مسعود صاحب اوران کی پارٹی کے اصولوں اورتحریروں سے درج بالا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنے امیر سے، جماعت سے علیحدہ ہونا اور بیعت نہ کرنا ثابت ہوتا ہے۔اور یہ تو مسعود صاحب واضح طور پر لکھ چکے ہیں کہ ''بیعت نہ کرنے کی وجہ سے حضرت عبادہ بن صامت ؓ جاہلیت کی موت کیوں نہ مرے؟ کیاان کے لئے اللہ کا قانون بدل جائے گا؟ '' (الجماعۃ ص ۲۰۔۲۱)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بیعت نہ کرنے کی بنا پر درج بالا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جاہلیت یعنی کفر کی موت مرے۔(نعوذ باللہ)

مسعود صاحب ،اشتیاق صاحب اوران کی رجسٹرڈ پارٹی کی ان خرافات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض جلیل القدر صحابہ کا کچھ مدت کے لئے یا مستقل طور پر کافر ہونا لازم آتا ہے۔(نعوذ باللہ)

اب دیکھنا یہ ہے کہ صحیح اور درست موقف کیا ہے؟ کیا جاہلیت سے مراد کفر ہے؟

ہمارا موقف یہ ہے کہ ان احادیث میں ''جاہلیت'' سے مراد کفر نہیں بلکہ ''جاہلیت کے دور'' کا مطلب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے والا زمانہ مراد ہے۔اور کئی احادیث میں اس لفظ کا استعمال محض اس دور کے لئے بکثرت ہوا ہے۔مثلاً:

۱: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''**كان عاشوراء يوم تصومه قريش فى الجاهلية**''

عاشوراء ایسا دن تھا کہ قریش دور جاہلیت میں اس کا روزہ رکھا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری:۳۸۳۱)

۲: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا......ایک بار وہ کوئی چیز لایا تو ابوبکر نے بھی اس میں سے کھایا، غلام نے ان سے کہا آپ کو معلوم ہے کہ یہ کہاں سے آیا؟ انہوں نے کہا: بتاؤ کہاں سے آیا؟ غلام نے کہا:

''**كنت تكهنت لإنسان فى الجاهلية**''

کہ میں نے جاہلیت میں کسی انسان کے لئے کہانت کی تھی اس نے مجھے اس کے بدلے یہ دیا ......الخ (صحیح بخاری:۳۸۴۲)

[باقی آئندہ شمارے میں۔ان شاءاللہ]

بغیر احسان جتائے انفاق فی سبیل اللہ کا اجر

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ جولوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ دُکھ دیتے ہیں، ان لوگوں کا اجران کے رب کے پاس ہے، انھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (البقرہ:۲۶۲)

فقہ القرآن:

☆ اللہ تعالیٰ کے راستے میں (خالص اللہ کی رضا کے حصول کی خاطر) خرچ کرنا بڑے ثواب کا کام ہے اوراس سے دولت میں کمی کے بجائے اضافہ ہوتا ہے۔

☆ ہر آدمی کو اس کی نیت کے مطابق اجر ملتا ہے، بعض لوگوں کو ایک نیکی کے بدلے میں سات سونیکیوں تک ثواب ملتا ہے۔ دیکھئے سورۃ البقرۃ (۲۶۱)

☆ مذکورہ آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کی مدح وتعریف کرتا ہے جو خیرات وصدقات کرتے ہیں اور پھر جسے دیتے ہیں اس پر احسان جتانے نہیں بیٹھتے، نہ تو اپنی زبان سے نہ اپنے فعل سے.... (تفسیر ابن کثیر ۴۳۴/۱، مترجم)

☆ نیکی کر کے احسان جتانے والوں اور ایذا پہنچانے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی اجر نہیں ہے بلکہ ان کی نیکیاں بھی رائیگاں جاتی ہیں۔

☆ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین آدمیوں سے نہ بات کرے گا، نہ ان کی طرف (نظرِ رحمت سے) دیکھے گا، نہ ان کو پاک کرے گا اوران کے لئے دردناک عذاب ہے: ① اِزار کو لٹکانے والا ② احسان کر کے جتانے والا اور ③ جھوٹی قسم کھا کر مال فروخت کرنے والا۔ (دیکھئے صحیح مسلم:۱۰۶، ملخصاً)

ابو معاذ

حافظ ابن الجوزی اور تقلید کا رد

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب قبر میں سوال ہوتا ہے کہ تُو اس آدمی محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ تو کافر یا منافق جواب دیتا ہے: ''کنت أقول ما یقول الناس'' میں تو وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ پھر اسے کہا جاتا ہے: ''لا دریتَ و لا تلیتَ'' تُو نے نہ تو (اپنی عقل سے) کچھ سمجھا اور نہ پیروی کی۔ (صحیح بخاری:۱۳۳۸)

اس حدیث کی تشریح میں علامہ ابن الجوزی نے لکھا ہے: ''**فیه دلیل علٰی تحریم التقلید في أصول الدین و أنه ینبغي للعاقل أن یکون عارفًا بما یعتقده علٰی یقین من ذلك، لا یقلّد فیه أحدًا فإن المقلد کالأعمی یتبع القائد**''

اس (حدیث) میں دلیل ہے کہ اُصولِ دین میں تقلید حرام ہے، اور عاقل کو چاہئے کہ وہ جو عقیدہ رکھتا ہے، یقین کے ساتھ اس کی معرفت رکھے، اس میں کسی کی تقلید نہ کرے کیونکہ مقلد تو اندھے کی طرح ہوتا ہے جو اپنے گائیڈ کے پیچھے چلتا ہے۔

(کتاب المشکل من حدیث الصحیحین ج۱ ص۸۳۳، المکتبة الشاملة)

اس عبارت میں حافظ ابن الجوزی نے مروّجہ تقلید کا زبردست رد کیا ہے اور بطورِ خیر خواہی عرض ہے کہ جب اُصولِ دین میں تقلید حرام ہے تو پھر فروعِ دین میں تقلید کس طرح جائز ہو سکتی ہے؟ مسلمانوں کو چاہئے کہ ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) کی اس تشریح کو مضبوطی سے پکڑیں اور ہر قسم کی تقلید سے اجتناب کر کے کتاب وسنت اور اجماع کے راستے پر سلف صالحین اور صحیح العقیدہ علماء کے فہم کی روشنی میں گامزن رہیں۔ ان شاء اللہ ہمیشہ کامیاب رہیں گے۔ ہمارے علم کے مطابق کسی ایک مستند عالم نے بھی یہ نہیں کہا کہ لوگو! ائمۂ اربعہ میں سے ایک امام کے مقلدین بن جاؤ، بلکہ سب علماء تقلید سے قولاً یا فعلاً دُور رہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سلف صالحین اور تقلید (الحدیث: ۷۵-۷۶)